ذکرِ حسینؓ

کوثر نیازی

www.taemeernews.com

حضرت امام حسینؓ ملت کی مظلوم ترین شخصیت اس لئے ہیں کہ انہوں نے جس مقصد کیلئے اپنا، اپنے جگر گوشوں اور اپنے مٹھی بھر رفیقوں کا سر کٹوایا، اس مقصد کو ملت نے یا تو سمجھا ہی نہیں یا سمجھا تو اسے تاریخ کی بھول بھلیوں میں گم کر دیا۔

بعض لوگوں کے نزدیک کربلا کے سانحے کا ظاہری پہلو ہی سب کچھ ہے۔ رہا مقصد تو وہ سمجھتے ہیں کہ حسینؓ اپنے باپؓ اور ناناؐ کے تخت اقتدار کو، جس پر غاصبوں نے قبضہ کر لیا تھا، حاصل کرنے کیلئے مدینۃ النبی سے نکلے تھے کہ یزید کے لشکر نے انہیں کربلا میں شہید کر دیا۔

ان لوگوں کے طرز فکر کے رد عمل میں ایک اور طرز فکر حال ہی میں ابھرا ہے اس طرز فکر کے حاملین حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لے کر حادثہء کربلا تک کے واقعات کو جس منظر و پس منظر کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور خلافت معاویہؓ ہی نہیں خلافت یزید کو بھی برحق ثابت کرنے کیلئے جس منطق سے کام لیتے ہیں اس سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ جناب حسینؓ معاذ اللہ باغی اور سرکش تھے جنھوں نے ایک جائز حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ بلاشبہ یہ ایک جدید طرز فکر ہے۔ ماضی میں اہلسنّت کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں رہا ہے۔

جناب حسینؓ کی مظلومی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک گروہ نے ان کی قربانی و سرفروشی کو صرف ماتم کی صفوں اور مجلس آرائیوں کا عنوان بنا دیا اور دوسرے گروہ نے انہیں باغیوں اور سرکشوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

بارِ دگر

اب تک "ذکرِ حسین" کے پانچ ایڈیشن چھپ چکے ہیں مگر اب ایک عرصے سے یہ کتاب "آؤٹ آف پرنٹ" تھی۔ میں جنگ پبلشرز کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے روائتی حسن اہتمام سے اس کی طباعت کا از سرِ نو بیڑہ اٹھایا ہے، کتاب میں نہ کوئی اضافہ کیا گیا ہے، نہ ترمیم، صرف نظر ثانی کے وقت کہیں کہیں بعض الفاظ بدلے گئے ہیں یہ بھی صرف ادبی رعائت اور مناسبت کے اعتبار سے، مجھے امّید ہے کہ علمی اور دینی حلقے جو ایک مدّت سے مارکیٹ میں کتاب کے دستیاب نہ ہونے کے شاکی تھے۔ "جنگ پبلشرز" کی اس پیش کش کا خیر مقدم کریں گے۔ میں عالمی اردو کانفرنس کے بانی و آرگنائزنگ سکریٹری جناب علی صدیقی کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کو ہندوستان میں شائع کرکے برادرانِ ملّت تک پہنچانے کی ذمّہ داری قبول فرمائی ہے۔

کوثر نیازی (اسلام آباد)

www.taemeernews.com

ذکرِ حسین رض

کوثر نیازی

یکے از مطبوعاتِ عالمی اردو کانفرنس

جملہ حقوق محفوظ

اشاعتِ ششم (بہ اجازت مؤلف) فروری ۱۹۹۰ء
تعدادِ اشاعت: ...... دو ہزار
سرورق: .... ایم شریف
ہدیہ: .... ۲۰ روپئے
ناشر .... علی صدیقی
عالمی اردو کانفرنس
۱۶۴ ر راؤز ایوی نیو ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

www.taemeer-news.com

ابتدائیہ

ذکر حسینؑ میری کمزوری بھی ہے اور قوت بھی۔ للہ الحمد کہ اب تک کی ساری عمر مداحیِ اہل بیت میں گذری ہے مگر یہ مداحی محض عقیدت کا نتیجہ نہیں، یہ گہرے تاریخی شعور اور محکم قرآنی حقائق پر مبنی ہے۔ میں نے چاہا کہ اس طرح کا ایک تذکرہ قرطاس و قلم کے بھی حوالے کر دوں یہ کتاب اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہے۔

میں جانتا ہوں بعض تصریحات پر شاید بعض لوگوں کا ردِ عمل کچھ زیادہ خوشگوار نہ ہو۔ مجھے ابھی سے تنی ہوئی ابرو کی کمانیں نظر آ رہی ہیں۔ میں جانتا ہوں حق گوئی کے جرم میں طنز و تنقیص کے تیروں کی بارش ہوگی۔

مگر اس جرم سے میں کیسے باز آ سکتا ہوں

کوثر مجھے اس جرم سے انکار نہیں ہے
شیدا ہوں دل و جاں سے میں اولادِ علیؑ کا

کوثر نیازی

کراچی ایئرپورٹ
26 دسمبر 1973ء

ترتیب

ابتدائیہ	3
بار دگر	4
ذکر حسینؓ	7
حسینؓ کی قربانی	9
حضرت امام حسینؓ کی غیر فانی سنت	14
سانحہ کربلا کا پس منظر	22
سانحہ کربلا کا واقعاتی پہلو	30
اسلامی نظام حکومت میں رخنہ اندازی	33
امیر معاویہ کی سیاست اور یزید کا کردار	52
خلافت کی ذمہ داری اور یزید	55
یزید کا فسق و فجور	58
حضرت امام حسینؓ کا مؤقف	61
امام حسینؓ سے بیعت طلبی پر اصرار	62
اہل کوفہ کی طرف سے عرض داشتیں	64
حضرت امام حسینؓ کے لئے بیعت	66
کوفہ کی طرف امام حسینؓ کی روانگی	69
یزیدی افواج کی آمد	72
اتمام حجت	73
حسینؓ ایک مظلوم ترین شخصیت	76
حضرت امام حسینؓ کی مظلومیت کا حقیقی پہلو	77
دوسرا انتہا پسند گروہ	79
اسلام میں سیاست و حکومت کا تصور	81
خلیفہ کے انتخاب کیلئے اصول	82
یزید کی نامزدگی	83

www.taemeernews.com

نظام حکومت میں تغیر	84
یزید کی حکومت کی قانونی حیثیت	85
غیر قانونی حکومت کے خلاف جدوجہد کا حق	87
حسینؓ کے مقدس خون کا احترام کرو	89
نتائج و عبر	92
اسلامی طرز جمہوریت پر کاری وار	93
اسلامی نظام عدل کی پامالی	95
ملت اسلامیہ میں باہمی افتراق	98
اسلام کے اجتماعی مفاد کو نقصان	99
مقام عبرت	101

www.taemeernews.com

ذکرِ حسینؓ

دل و دماغ میں مہرووفا کے افسانے
تصوّرات میں روشن فضائے بدر و حُنین
خوشا یہ اوجِ مُقدر زہے یہ عزّو شرف
میری زبان پہ جاری ہے آج ذکرِ حسینؓ

شہیدِ راہِ محبّت ہے زندۂ جاوید
یہ راز تیری شہادت نے ہم پہ کھول دیا
بُھلا سکیں گے نہ اہلِ وفا ترا احساں
کہ تُو نے موت کی تلخی میں شہد گھول دیا

بنامِ نسل و نسب طرزِ بادشاہی نے
قبائے وحدتِ ملّت کو تار تار کیا
وہ ظُلم ڈھائے کہ غیروں کو آگیا رونا
عجیب رنگ یہ اپنوں نے اختیار کیا

---

www.taemeernews.com

نہ فکرِ سود و زیاں کی، نہ خوفِ تیغ و تبر
حسینؓ! راہِ خدا میں تری یہ بے تابی
بہارِ گلشنِ اسلام میں پلٹ آئی
کہ تیرے خون سے قائم ہے اس کی شادابی

کہیں بھی اہلِ محبت کی تشنگی نہ بجھی
فرات و نیل کے ساحل سے تا بہ گنگ و جمن
برائے لالہ و گل اجنبی ہے فصلِ بہار
خزاں کے دستِ تصرف میں آگیا ہے چمن

جہاں پہ آج وہی شیطنت مسلط ہے
خدا کے دین کا سکہ کہیں رواں ہی نہیں
قدم قدم پہ گناہوں کے جال پھیلے ہیں
دل و نگاہ کو حاصل کہیں اماں ہی نہیں

ہر ایک سمت ہیں عفریتِ ظلم کے رقصاں
خدا کے دین کا حلقوم ہے تہِ شمشیر
نئے یزید، نئی کربلا ہوئی پیدا
زمانہ ڈھونڈ رہا ہے کوئی نیا شبیرؓ

19 جولائی 1957ء

www.taemeernews.com

امام حسینؓ کی قربانی

امن کمیٹیاں وہاں بنائی جاتی ہیں جہاں امن کو خطرہ ہو۔امن کو خطرہ وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی متنازعہ مسئلہ موجود ہو اور میں سوچ رہا ہوں کہ محرم کے اس مقدّس مہینے میں مسلمانوں کے درمیان ایسا کون سا متنازعہ مسئلہ ہے جو امن کے لئے خطرہ بن سکے۔ کون مسلمان ہے حسینؓ جس کے ایمان کا حصہ نہ ہو۔ کون کلمہ گو ہے جس کی رگوں میں عشقِ حسینؓ خون کی طرح نہیں دوڑتا۔ کون سی آنکھ ہے جو امام کی پیاس کے تصور میں بھیگ کر فرات نہیں بنتی۔کون سا دل ہے جو حسینؓ کی محبت کو سمیٹنے

www.taemeernews.com

کے لئے صحراؤں کی طرح پھیل جانے کا خواہش مند نہیں۔ حسینؓ پر اگر کوئی تنازعہ ہو سکتا ہے تو ان کی ذات سے عشق کا تنازعہ ہے اور یہ عشق وہ ہے کہ ہر مسلمان اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا تمنائی ہے۔ حسینؓ پر اگر کوئی تنازعہ ممکن ہے تو اس جذبہ قربانی پر ممکن ہے جس کی وہ زندہ مثال ہمارے سامنے پیش فرما گئے۔ ہر مسلمان دوسرے سے بڑھ کر اس قربانی کی تقلید کرنا چاہے گا۔ لیکن عشق کے یہ معاملے۔ محبتوں کے یہ جذبے۔ احترامات کے یہ سلسلے فساد یا عناد کا موجب نہیں۔ اخوت و اجتماعات کا سبب بنتے ہیں اور اہل درد 'اہل عشق یا اہل ارادت کے لئے امن کمیٹیوں کی ضرورت نہیں۔ امن کمیٹی بنتی ہے اس معاشرے میں جہاں حسینؓ کی عظمت پر اختلاف ہو۔ لیکن جو ملک مسلمانوں کا ہو' جس کی بنیاد اسلام ہو' جس کا نظریہ اسلام ہو' جس کے باشندے مسلمان ہوں وہاں شہادت حسینؓ کا عشرہ شروع ہوتے ہی امن کمیٹیوں کی ضرورت پڑے تو پھر لازماً سوال ذہن میں آتا ہے کہ ہم کسی اجتماعی فریب میں تو مبتلا نہیں۔ اگر ملک کی بنیاد اسلام پر ہے تو حسینؓ کی یاد میں امن کو خطرہ کیسا اور اگر حسینؓ کی یاد میں امن کو خطرہ ہے تو پھر یہ مسلمانوں کا معاشرہ کیونکر ہے اگر یہ معاشرہ مسلمانوں کا ہے تو پھر عشرہ محرم سے پہلے امن کمیٹیوں کا قیام اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بات تو یہاں سے شروع ہوتی ہے.کون ہے جسے مسلمان ہونے سے انکار ہو۔ کون ہے جسے حسینؓ کی عظمت سے انکار ہو'جب سارے ہی حسینؓ کے سپاہی ہیں۔ جب سب ہی حسینؓ کے عزادار ہیں۔ جب سب ہی حسینؓ کے غم خوار ہیں جب سب ہی حسینؓ کے پیغام کے علمبردار ہیں۔ جب سارے ہی یزیدیت سے بیزار ہیں تو پھر خطرہ کس سے ہے اور اگر خطرہ ہے تو پھر ہم کیوں نہ سوچیں کہ خطرہ پیدا کرنے والے وہی ہو سکتے ہیں جو خود امام حسینؓ کے لئے خطرہ بنے تھے۔

ہاں ہاں تاریخ کی بات کرتا ہوں جو اپنے آپ کو دہراتی نہیں آگے بڑھاتی

ہے اگر تاریخ اپنے آپ کو دہراتی تو بار بار حسینؓ پیدا کرتی۔ بار بار کربلا سجاتی لیکن یہ تاریخ کے بس کی بات نہیں کہ حسینؓ کو دوبارہ پیدا کر دے۔ حسینؓ کے سامنے تاریخ لاچار ہے اور تاریخ کے سامنے ہم سب لاچار ہیں۔ آیئے ایک نظر دیکھیں کہ حسینؓ، ہمارے حسینؓ، ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسینؓ، مظلوموں کے حسینؓ، شہیدوں کے حسینؓ، انسانیت کے حسینؓ، آخر میدان کربلا میں آل نبی کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے ساتھ محصور کیوں کئے گئے کیا یزید ان کا احترام نہ کرتا تھا کیا ان پر تلوار چلانے والے بھی ان کا اسم مبارک احترام سے نہ لیتے تھے؟ کیا دن بھر پانی بند کرنے والے یہ جانتے نہ تھے کہ یہ نواسۂ رسولؐ ہے اور کیا خود حسینؓ کو علم نہ تھا کہ وہ اپنے اصول ترک کر کے ایک اشارہ بھی کریں تو یزید کی تمام قوتیں ان کے قدموں میں آگریں گی۔

پھر یہ تصادم کیا تھا؟ یہ جنگ کیوں تھی؟ اور قربانی کس لئے تھی؟ محققین سے پوچھئے تو لاکھ تاویلات لے آئیں گے مورخین سے پوچھئے تو تاریخ دہرانے بیٹھ جائیں گے مفکرین سے پوچھئے تو فلسفہ تراشنے لگیں گے لیکن میرے لئے ایک عام مسلمان کے لئے حسینؓ اصولوں کا نام ہے۔ انصاف کا نام ہے ظالم کے خلاف مظلوم کی قربانی کا نام ہے۔ اصول کے لئے جرأت کا نام ہے میں تاریخ سے نہیں پوچھتا۔ میں مفکروں سے نہیں پوچھتا۔ میں مؤرخوں سے نہیں پوچھتا میں تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ بتاؤ حسینؓ کیا ہے؟ کیا حسینؓ نے ایک پرانے نظام سے ٹکر لے کر تاریخ کا رخ نہیں بدلا؟ کیا حسینؓ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ اصولوں پر سمجھوتہ کسی قیمت پر نہیں ہو سکتا خواہ اس کے لئے معصوم بچوں اور خاندان رسولؐ کی بیٹیوں کو تکالیف ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔ حسینؓ کی جنگ نہ عہدے کی جنگ تھی نہ اقتدار کی وہ اصولوں کی جنگ تھی، وہ حق کی جنگ تھی یہ جنگ کر کے حسینؓ نے دنیا کو بتا دیا کہ طاقت کی فتح کا مطلب حق کی شکست نہیں۔ یزید کربلا میں جیت گیا تھا یزید تاریخ میں ہار گیا۔ حسینؓ شہید ہوتے ہیں تو ظلم دفن ہو جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

آؤ آج حسینؓ کو یاد کریں۔ آؤ آج اس خون کو یاد کریں جو اصول کے لئے کربلا کی ریت میں جذب ہوا۔ دنیا کی نظروں میں اس وقت بھی ہتھیار جیتے تھے۔ وسائل جیتے تھے۔ دنیا کی نظروں میں وہ خون نہیں تھا جو ریت میں مل گیا وہ اصول نہیں تھا جسے ظلم سے کچلا گیا۔ وہ عزم نہیں تھا جسے پانی روک کر خشک کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آج تیرہ سو سال کے بعد دیکھئے فاتح کون رہا اور مفتوح کون۔ آج ہتھیاروں سے فتح حاصل کرنے والا یزید ہمیشہ کے لئے مغلوب ہے اور سچائی کے لئے لاش بن جانے والا حسینؓ رہتی دنیا تک فاتح ہے۔ حسینؓ کو یہ فتح کس نے دی؟ میں ایک سادہ مسلمان کی حیثیت میں صرف یہ جانتا ہوں کہ حسینؓ چونکہ حق پر تھے اس لئے فتح ان کا مقدر تھی کربلا کے معرکے برپا ہوتے ہی رہیں گے اگر یزید کے لشکر خاندان رسولِ مقبولؐ کے جگر گوشوں کو تلواروں سے ٹکڑے کر کے بھی ظلم کا نظام باقی نہ رکھ سکے تو پھر دنیا میں کس کی یہ جرأت ہے کہ ظلم کا سہارا لے کر مظلوم کو کچل سکے۔ حسینؓ نے ہمیں سبق دیا ہے کہ انسان ہتھیاروں سے عظیم ہے۔ حسینؓ نے ہمیں سبق دیا ہے کہ سچائی کی طاقت باطل کو شکست دے سکتی ہے۔ دیکھو اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی دنیا کو کتنے یزیدوں نے کتنے اسلحہ جات سے کتنے حق پرستوں کو کچلا، لیکن آخر فتح طاقت کو ملی یا حق کو؟ آؤ دیکھو دنیا کا منظر۔ ہر جگہ ہر مقام اور ہر خطے میں ظلم کے خلاف آواز اٹھ رہی ہے یہ آواز حسینؓ کی آواز ہے۔ پہچانو تو حسینؓ کو ان آہوں میں ان کراہوں میں اور دیکھو مظلوموں کا حملہ کیا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بچوں اور قابل صد احترام خواتین کے ساتھ میدان جنگ میں اترتے ہیں۔ کیا کوئی جارح یا جرنیل اس ڈھب سے میدان جنگ میں اترا ہاں ہمارے حسینؓ اترے کہ خون کی ہولی کھیلنا ان کا مقصد نہ تھا وہ انسانیت کی بقا کے لئے آئے تھے! امن کی جنگ لڑنے کے لئے آئے تھے اور امن کی یہ جنگ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی ان کی عورتیں اور بچے کھلے میدانوں میں دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں اور آج بھی ہم امن کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ امن جس کی بنیاد انصاف ہو۔ امن جو خون سے

نفرت سکھاتا ہو۔ امن جو قربانیوں کے بعد ملتا ہو جو جنگ کربلا میں شروع ہوئی تھی آج بھی جاری ہے اور دکھی انسانیت آج اس پرسکون دنیا کو تلاش کرنے میں بے چین ہے جسے پیدا کرنے کے لئے حسینؓ نے وہ عظیم قربانی دی جس کی یاد ہم ہر سال مناتے ہیں اور اس کی یاد میں امن کمیٹیاں تو بناتے ہیں لیکن وہ امن حاصل نہیں کر پاتے جس کے لئے حسینؓ نے جنگ لڑی۔

آیئے! حسینؓ کے نام پر ہم متحد ہیں تو محرم میں دنیا کو متحد ہو کر بھی دکھائیں۔ آیئے آج خلوص دل سے عزم کریں کہ آنے والا نیا اسلامی سال پاکستان کی مضبوطی اور استحکام کا سال ہو۔ اتحاد کا سال ہو۔ امن کا سال ہو۔ امن کمیٹیوں کا سال نہ ہو۔

www.taemeernews.com

حضرت امام حسینؓ کی غیر فانی سُنّت

مُحرّم الحرام اسلامی کیلنڈر کا پہلا اور اس عظیم اور بے مثال واقعہ کا یادگار مہینہ ہے جس نے مسلمانوں کو ہر دور میں جبر اور استبداد کے سامنے سینہ سپر ہونے اور اسلام کی حفاظت کو زندہ اور جاوداں رکھنے کے لئے اپنی ہستی کو فنا کر دینے کا سبق دیا۔ امام حسینؓ علیہ السلام دین کی بنیادی اقدار اور انسانی زندگی کے اسی ربانی طریق جہد و عمل کی عظمت اور سچائی کا اظہار فرمانے کے لئے میدان کربلا میں جلوہ افروز ہوئے تھے اور اپنا اور اپنی اولاد کا خون دے کر اس طریق جہد و عمل کو جاوداں فرما گئے۔ ان کا راستہ روکنے کے لئے طاغوتی قوتیں ہجوم در ہجوم آئیں۔ انہوں نے سچائی کے اس عظیم اور بے مثل علمبردار کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا اور خوشیوں کے شادیانے بجائے لیکن تاریخ نے دیکھا کہ سچائی خون آلود ہونے کے باوجود آج کے دن تک سربلند ہے اور جھوٹ کی وقتی و ہنگامی فتح و کامرانی کو فنا کے گھاٹ اترے مدتیں گذر گئی ہیں۔ حسینؓ علیہ السلام آج بھی زندہ ہیں اور یزید پر واقعہ کربلا کے چند سال بعد ہی ابدی موت طاری ہو گئی تھی۔ یزید کی ابدی موت اور حسینؓ کی تاقیامت زیست وہ عظیم حقیقت ہے جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

ہر سال محرم کا مہینہ جب تک آتا رہے گا یزید کی ابدی ہلاکت اور حسینؓ کی تاقیامت زیست کی یاد تازہ ہوتی رہے گی اور مسلمانانِ عالم ذکر حسینؓ سے اپنی محفلوں کو ہمیشہ بقعہ نور بنائیں گے طریقہ جو بھی ہو گا اس میں مشترک بات یہ ہو گی کہ سچائی کو سر بلند رکھنے کے لئے جان دے دینا مہنگا سودا نہیں۔ یاد کا یہی مشترک پہلو اسلام کی وساطت سے مسلمان قوم کو نیا خون اور نیا ولولہ عطا کرتا ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اسلامی ممالک کی حالیہ تاریخ میں جو نئے سویرے پھوٹے ہیں وہ اسی حسینی افق کا فیض

www.taemeernews.com

ہیں۔ افریقہ میں مشرق وسطیٰ میں، جنوب مشرقی ایشیا میں ایک نہیں کئی سویرے ابھرے ہیں اور ہر سویرے کی شفق میں خون حسینؓ کی سرخی ہے۔

بلاشبہ کربلا کے حسینؓ نے جو سنت کربلا کی ریت کے سپرد کی تھی اس کی ہر کڑی قربانی کی بھٹی میں پگھل کر آہن بنی تھی۔

بلاشبہ کربلا کے حسینؓ نے سر کٹانے اور خون دینے کو حیات جاوداں کا عنوان بنایا تھا مگر نئے دور کے حسینی مقابل و حریف کے سر کاٹنے اور خون بہانے کو بھی سُنّت حسینی جانتے ہیں کہ حسین علیہ السلام جس بلند مقام باپ کے بیٹے تھے، ان کا اسم گرامی اور نام نامی علی شیر خدا تھا جو کفر و باطل کے جنگل میں پھیلے حریف درندوں کے جسم و جان کو چیرنے پھاڑنے میں بالکل تامل نہیں برتتے تھے۔ وہ خیبر شکن تھے انہوں نے اسلام کی روشنی کو قلعہ خیبر کے در و دیوار پر قیامت تک کے لئے مرتسم کرنے کے لئے باب خیبر کو حیدری توانائی کے ساتھ اکھاڑ پھینکا تھا اور ہر اس یہودی پہلوان کے گرانڈیل جسم کی تکابوٹی کر دی تھی جو میدان جنگ میں ان کے رُوبرو آیا۔

یہی وجہ ہے کہ نئے دور کے پاکستانی، افریقی اور ایشیائی حسینیوں نے پاکستان میں بھی، افریقہ میں بھی اور ایشیا میں بھی جبروتی طاقتوں کے خلاف جو نئی صف آرائی کی ہے، جن ابواب خیبر کو اکھاڑ پھینکا ہے اور جن بھارتی اور مغربی سامراجی درندوں کے جبڑے توڑے ہیں وہ افق عالم کے نئے سویروں کا روشن عنوان بن گئے ہیں اور وہ ساری کی ساری روداد یں پھر سے تازہ ہو گئی ہیں جو علی شیر خدا نے معرکہ خیبر میں اپنی شمشیر براں سے رقم کی تھیں۔

میرے نزدیک ہر سال کا محرم جب آتا ہے، تو جہاں کربلا کے ریگ زار میں شامل خون حسینی کی سرخی نظر عالم کے لئے وجہ عبرت بنتی ہے، وہاں حیدری شمشیر کی کاٹ اور شیر خدا علی پدر بزرگوارِ حسینؓ کے بازوئے خیبر شکن کی توانائی بھی رگ و جانِ ملّت میں خون تازہ کو روانی عطا کرتی ہے کہ کربلا کی تاریخ صرف محرّم کے دس پہلے دنوں کی تاریخ ہی نہیں ہے۔ اسلام کے پہلے معرکہ جنگ بدر سے لے کر غزوہ خیبر،

www.taemeernews.com

غزوہ اُحد، واقعہ خندق، جنگ ہوازن، فتح مکہ، جنگ قادسیہ، جنگ یرموک اور ہر اس معرکہ و جنگ کی تاریخ ہے جو اسلام کے قدوسیوں نے حسینؓ کے نانا حسینؓ کے باپ اور حسینؓ کے باپ اور نانا کے وفادار ساتھیوں کی قیادت میں اس وقت تک لڑی تھیں جب تک حسینؓ مدینہ سے چل کر مکہ اور مکہ سے چل کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ہر سال کا محرّم جب طلوع ہوتا ہے تو پوری وہ تاریخ اسلام، عالم اسلام پر طلوع ہو جاتی ہے جو حسین علیہ السلام کے سفر کربلا کے وقت تک ملّت مسلمہ نے اپنی جدوجہد کے آہنی قلم سے صفحہ جہاں پر رقم کی تھی۔

بلکہ میں تو سمجھتا ہوں اور بجا طور پر سمجھتا ہوں کہ ہر سال کا محرّم کربلا کے محرّم سے پہلے کی تاریخ اسلام کے ساتھ کربلا کے بعد کی تاریخ کو بھی اپنے ہمراہ ذہن عالم پر اجاگر کر دیتا ہے اور مسلمانان جہاں کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ حسینؓ پر جو محرّم امیر معاویہ کے نالائق بیٹے یزید کے دور حکومت میں طلوع ہوا تھا وہ پہلے سال ہجری سے لے کر ہادی اسلام علیہ التحیۃ والسلام کے وصال تک کوئی گیارہ بار طلوع ہو چکا تھا اور اس مدت میں اسلام سرزمین عرب کی اتنی بڑی قوت بن چکا تھا کہ حضور سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کی دو بڑی عالمی قوتوں دولتِ ایران و دولت رومہ میں سے ایک قوت یعنی دولت رومہ کی عرب سے ملحق سرحد کی ایک بڑی چوکی تبوک پر اسلامی برتری کے علَم گاڑ آئے تھے[1] اور وصال سے کچھ دن پہلے ہزاروں جاں نثاروں کا لشکر جوفِ مدینہ میں جناب اسامہؓ بن زیدؓ کے علَم تلے جمع کر دیا تھا کہ شام کے اس سرحدی مقام کو روانہ ہو جہاں جناب اسامہؓ کے باپ جناب زید بن حارث اور جناب جعفر بن ابی طالب نے رومی اور شامی فوجوں سے نبرد آزمائی کے وقت شہادت پائی تھی۔

قدیم مؤرخین اسلام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جناب اسامہؓ بن زیدؓ

---

1 - ابن اسحاق و ابن ہشام جز - 2 - ص 321 - الطبری جز ص - 124 القسطلانی جز اول ص 172

www.taemeernews.com

کی قیادت میں جو فوج حضورؐ نے جوف مدینہ میں جمع کی تھی اس کے ذمہ جو اہم فریضہ تھا اس کی دو شقیں تھیں۔ ایک شق جناب زیدؓ بن حارثہ' جناب جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا انتقام تھا اور دوسری شق شامی و رومی فوجیوں کو للکار اور تنبیہ مہیا کرنا تھی۔ حضورؐ کے جانشین جناب ابو بکر صدیقؓ نے حضور کے وصال سے پیدا ہونے والی سیاسی صورتحال کی ابتری کے باوجود جناب اسامہؓ کی لشکر کشی کو ملتوی نہ کر کے اور فوج اسلام کو شام کی سرحد کے متعینہ مقام تک پہنچا کر جو حکمت عملی اختیار کی تھی اس سے اسلام بہت سربلند ہوا تھا اور جناب ابو بکرؓ کے مختصر عہد میں اسلام نے پورے حجاز' نجد' یمن' و حضرموت اور بحرین پر جو سیاسی غلبہ حاصل کر لیا تھا فوج اسامہ کی لشکر کشی اس کا بنیادی سبب تھی[1]!

یہاں یہ بات خصوصی توجہ کے قابل ہے کہ جناب اسامہؓ بن زیدؓ جس فوج کو اپنے ساتھ لیکر سوئے شام روانہ ہوئے تھے' اس کا اجتماع محرم 11ھ میں شروع ہوا تھا اور صفر میں اس کی تکمیل ہوئی[2]۔ یعنی جوف مدینہ میں اسلام کے مستقبل کو تابناک سے تابناک تر بنانے والے قدوسی محرم 11 ہجری میں اسلام کی مرکزی چھاؤنی میں مجتمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔

یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جناب اسامہؓ کے یہ تیس ہزار رفقاء مرکزی حکومت کی سٹینڈنگ آرمی کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ سارے کے سارے صحابہؓ تھے۔ ان سب نے حضورؐ کی صحبت پائی تھی اور حضورؐ کی تربیت سے نوازے گئے تھے۔

بلاشبہ جناب ابو بکر صدیقؓ کے عہد مبارک میں اسلام جب عملاً جزیرہ نمائے عرب کی قوت حاکمہ بنا اور اسلامی سپاہ مختلف حصوں میں بٹ کر عراق' شام' مصر' بحرین اور دوسرے اکناف عالم کی طرف چلی تھی تو بہت سے نو مسلم اور

1- ابن اثیر- ج- 4- ص 122- ابن کثیر- ج- 4- ص- 323

2- ابن اسحاق

www.taemeernews.com

بہت سے وہ لوگ جنہیں صحابہ کا شرف حاصل نہ ہوا تھا اور جنھوں نے حضورؐ کی تربیت نہیں پائی تھی اس میں شامل ہو گئے تھے اور بعد میں آنے والے یہی وہ موقع پرست لوگ تھے جنھوں نے شام میں پہلے اور امیر معاویہ اور بعد میں یزید کو قوت بہم پہنچائی تھی اور یہی وہ لوگ تھے جو کربلا کے قیامت صفت ہنگامے کو برپا کرنے کا موجب بنے تھے۔

تاریخ نے بڑے واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ کربلا میں جو یزیدی فوج ابن زیاد اور شمر لعین کی ساتھی بنی تھی اس کے سارے کے سارے افراد حضورؐ کے وصال کے بعد مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضورؐ کی صحبت نہیں پائی تھی اور نہ حضورؐ کا الہامی ہاتھ ان کے سروں پر سایہ فگن ہوا تھا۔

یہ لوگ بہادر یقیناً تھے۔ یہ لوگ خون بہانے کا خوب حوصلہ رکھتے تھے انہوں نے مصری شامی اور عراقی میدان ہائے جنگ میں تلواروں اور نیزوں کے تماشے خوب رچائے تھے اور اس اسلامی سپاہ کو یقیناً توانائی بہم پہنچائی تھی، جو جناب اسامہؓ بن زیدؓ کے ہمراہ محرم 11 ہجری میں جوف مدینہ میں اتری تھی۔

مگر بخدائے رب کعبہ! اس فوج کا ایک سپاہی بھی اس کربلا کا تماشائی نہیں بنا تھا جس نے اسلام کے ہادی علیہ التحیۃ والسلام کے جگر گوشہ حسینؓ کے پاک خون کو بہایا تھا۔ میرا دعویٰ ہے اور میرے پاس اس کے تاریخی ثبوت ہیں کہ محرم 11 ہجری تک اسلام لانے والوں اور حضورؐ پاک کی صحبت کا شرف پانے والوں میں سے کوئی ایک فرد بھی حضورؐ کے نواسے امام حسین علیہ السلام کے سامنے حریف بن کر کھڑا نہیں ہوا تھا۔

صحرائے حجاز کی ریت بڑی ظالم اور قصاب صفت ریت ہے وہ سارے بدبخت صحرائے حجاز اور نجد کے بے آب و گیاہ علاقہ کے باشندے تھے جو کوفی فوج میں شامل ہو کر امام حسین علیہ السلام کے سامنے صف آرا ہوئے تھے اور یہ سارے بدبخت اسلام کو قوت غالبہ پا کر دنیاوی لالچ کی خاطر اسلام سے وابستہ ہوئے تھے۔

دراصل یہ اُن قبیلوں کے لوگ تھے جو حضورؐ کے وصال کے بعد مرتد ہوئے تھے اور اسلام کے مرکز مدینہ پر چہار طرف سے حملہ آور ہونے کی جرأت کی تھی ان میں بنو سلیم' بنو حنیفہ' بنواسد کے لوگوں کی اکثریت تھی۔

جن لوگوں نے تاریخ اسلام کو بنظرِ غائر پڑھا ہے وہ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ بنواسد' بنو سلیم اور بنو حنیفہ کی غالب تعداد مرتدین پر مشتمل تھی۔

جناب ابو بکرؓ کی صلابت فکر اور سیاسی سوجھ بوجھ اور جناب خالدؓ بن ولید کے غیر معمولی تہور اور شجاعانہ عمل کے سبب گمراہی کے راستہ سے منہ پھیر کر' ان کے اسلام میں دوبارہ داخل ہونے پر میں حرف گیری نہیں کرتا اور ایسا کر بھی کیسے سکتا ہوں جبکہ خلیفہ اوّل اور جانشین اور وفادار رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو حنیفہ' بنواسد اور بنو سلیم کے ٹھکانوں کی سمت روانہ ہونے والی فوجوں اور ان کے سربراہوں کو بنیادی حکم دیا تھا کہ بستی تمہاری اذان سننے کے بعد تمہارے ساتھ نماز میں آن شامل ہو' جو اسلام کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لے' اس پر حملہ آور نہ ہونا اور اس کے اسلام کو قبول کر لینا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ نئی نسل کے مسلمانوں پر یہ حقیقت بھی واضح کر دینا ضروری جانتا ہوں کہ کربلا میں حسین علیہ السلام کے سامنے جن لوگوں نے صفیں باندھی تھیں۔ جنہوں نے دریائے فرات کا پانی ان پر بند کیا تھا جنہوں نے ان پر اور ان کے ساتھیوں پر تیر چلائے اور تلواریں سونتی تھیں' یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے الیمامہ کے معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ بڑی سخت جنگ لڑی تھی اور کوئی ساڑھے سات سو حفاظ کو شہید کر دیا تھا!

یقیناً اسلام نے الیمامہ کی جنگ جیت لی اور باقی ماندہ بنو حنیفہ اسلام لے آئے اور جناب خالدؓ بن ولید نے ان کو امان بخش دی تھی۔

لیکن بہرحال یہ حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ ان لوگوں کا اسلام معیاری نہ

---

1 - ابن اثیر ج 5 ص - 413

www.taemeernews.com

تھا۔ معرکہ کربلا کبھی وقوع میں نہ آتا اگر یہ لوگ اسلام کو سمجھے ہوتے، اگر اسلام کی روح ان کے دلوں میں بس چکی ہوتی اور معرکہ کربلا تو معرکہ کربلا ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ اگر یہ لوگ اسلام سے مخلص ہوتے، اگر اسلام نے ان کے دلوں میں گھر کیا ہوتا تو جناب علیؓ مرتضٰی اور امیر معاویہ کے مابین جو جنگیں شہادت عثمانؓ کے بعد اور جناب علیؓ مرتضٰی کے مسند نشین خلافت ہونے کے وقت ہوئی تھیں وہ بھی وقوع میں نہ آسکتیں کہ اسلام ان جنگوں کو اس اخوت اور بھائی چارے اور جماعتی اتحاد کے بالکل منافی جانتا تھا جسے پیدا کرنے کے لئے وہ اس دنیا میں آیا تھا۔

حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام کی بعثت مقصد جہاں کلمۃ اللہ ھی العلیاء کی منادی تھی وہاں وہ اس لئے بھی اس عالم آب و گل میں نبی بن کر آئے تھے کہ ایک ایسی برادری اور ایک ایسی ملت کو وجود میں لائیں جس کے افراد میں "من و تو" کی کوئی تمیز باقی نہ رہے اور جو قبائلی تعصب اور رنگ و نسل کے فرق کو بالکل بھول جائے۔

اور اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضور سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تربیت صالح جن نفوس قدسیہ نے پائی تھی وہ "من و تو" کا فرق بالکل بھول گئے تھے اور باہم ایک دوسرے کے ہمدرد، جاں نثار اور سچے رفیق بن گئے تھے اور یہ رفاقت مثالی رفاقت تھی۔ ایسی رفاقت پہلی کسی امت اور پہلی کسی جماعت میں کبھی تاریخ کے کسی دور میں پیدا نہ ہو سکی تھی۔

اور یہ سارے دھندلکے اسلامی تاریخ کے، جن کے بطن سے شہادت عثمانؓ، جنگ جمل اور کربلا ایسے واقعے پیدا ہوئے، صرف ان لوگوں کے پیدا کردہ تھے جو اسلام کے سیاسی غلبہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور میرے پاس تو تاریخ کا یہ استشہاد بھی موجود ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت، جسے بعض فلسفی مؤرخین اسلام نے جنگ جمل، امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کے مابین معرکہ آرائی اور واقعہ کربلا کی اصل بنیاد قرار دیا ہے، محض ان لوگوں کے سبب تاریخ کا اندوہناک باب بنی تھی جو اسلام سے مخلص نہ تھے جو اسلام میں اس لئے شامل ہوئے تھے کہ اسلام کی وحدت

www.taemeernews.com

و مرکزیت اور ملت کے اتحاد کو مجروح کریں۔

بلاشبہ انہوں نے اپنے نام مسلمانوں کے سے رکھ لئے تھے۔ بلاشبہ وہ مصر، کوفہ اور بصرہ کی اسلامی چھاؤنیوں کے اندر سے نکل کر مدینہ آئے تھے لیکن ان میں غالب تعداد ان کی تھی جنہوں نے الیمامہ اور دوسری جنگوں میں اسلام سے ٹکر لی تھی۔ اور صرف اس لئے اسلام قبول کیا تھا کہ اسلام نے ان کی تلواریں توڑ دی تھیں اور ان کے نیزوں کی انیوں کی تندی و تیزی چھین لی تھی۔

یہ محاکے کا وقت نہیں ہے البتہ میں یہاں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت جن کوفیوں، بصریوں اور مصریوں کے ہاتھوں ہوئی، ان کا تعلق اسی فاسد گروہ سے تھا جو الیمامہ اور بنی اسد اور بنی سلیم کے ٹھکانوں میں اسلام کے مدِ مقابل ہوا تھا۔ اس گروہ نے جنگ جمل کی آگ بھڑکائی۔ اسی گروہ نے امیر معاویہ اور جناب علی مرتضیٰؓ میں خلیج حائل کی اور یہی گروہ حادثہ کربلا کا موجب بنا۔

یہ گروہ اسلام کی اوڑھنی نہ اوڑھ لیتا، یہ اگر جھوٹی اذانیں دے کر اور جھوٹی نمازیں پڑھ کر پہلی اسلامی فوج اور پہلے مسلمان سپہ سالاروں کو اپنے اسلام کی صداقت کا یقین نہ دلاتا تو اسلام کی تاریخ میں کوئی دھندلکا پیدا نہ ہوتا۔ نہ شہادت عثمانؓ وقوع میں آتی، نہ جنگ جمل کی آگ بھڑکتی اور نہ کربلا کا محرّم اتنی اندوہناک کیفیت کا حامل ہوتا کہ مسلمان نسلیں تیرہ سو سال سے اس کے طلوع ہوتے ہی اپنے گریبان چاک کرتیں اور اس المیہ کی اندوہناکی پر آنسو بہاتیں۔

www.taemeernews.com

سانحہ کربلا کا پس منظر

تاریخ عالم کے بعض ایسے سوانح جنہوں نے نہ صرف واقعات اور حالات کے دھارے کا رخ موڑ دیا ہے بلکہ بعد میں آنے والے کروڑوں انسانوں کے قلوب و اذہان کو بھی بے حد متاثر کیا ہے' ان میں سانحہ کربلا ایک نہایت منفرد اور بے حد اہم خصوصیتوں کا حامل ہے' اس عظیم تاریخی سانحہ کی وجہ سے تاریخ اسلام کے دھارے کا رخ یکسر بدل گیا اور اگرچہ فوری طور پر خاندان بنو اُمیّہ کی حکومت کے لئے راستہ ہموار ہو گیا لیکن آگے چل کر ان تمام کارناموں کے باوجود جو بنو امیہ خاندان کے بعض لائق، جری اور حوصلہ مند خلفاء نے سرانجام دیئے اور حکومتی شان و شوکت' رعب اور دبدبہ کے علی الرغم اس خاندان کو عامتہ المسلمین کے دلوں میں محبت کا وہ مقام حاصل نہ ہوا جو بصورت دیگر حاصل ہوتا۔ اس کے برعکس یزید اور اس کے مشیروں کی ایما اور اس کی سپاہ اور سرداران سپہ کے ہاتھوں حادثہ کربلا میں جو افعال سرزد ہوئے ان کا ایسا شدید ردِ عمل ہوا کہ خود آل امیہ کو بھی اموی کہلانا گوارا نہ رہا۔ گویا معنوی طور پر یہ خاندان دنیا سے بالکل نابود ہو گیا جب کہ دوسری طرف مقتل کربلا میں خانوادہ رسولؐ کے بچ جانے والے واحد نوجوان کی اولاد آج بھی دنیا کے ہر خطے میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہے۔

کسی بھی تاریخی واقعہ کی اہمیت کا تعین کرنے کے لئے ہمیں تین پہلوؤں سے اس کا جائزہ لینا پڑتا ہے۔ یعنی وہ واقعہ

کس کے ساتھ پیش آیا

کیسے پیش آیا اور

کیوں پیش آیا؟۔

وہ شخص جس کے ساتھ کوئی تاریخی واقعہ پیش آیا ہو واقعہ کے مرکزی کردار کی حیثیت رکھتا ہے اور اس مرکزی کردار کی شخصیت سے واقعے کی اہمیت کی سطح متعین ہوتی ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے گردو پیش سینکڑوں آدمی روزانہ دنیا سے کوچ کرتے ہیں اور اسی طرح سینکڑوں نئے مسافر عرصہ حیات پر نمودار ہوتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی یا کچھ لوگوں کو خبر ہوتی ہے تو وہ اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے کسی درخت کی کوئی ٹہنی ٹوٹ کر زمین پر آگری ہو یا کسی جھاڑی کے ساتھ ایک نیا پھول کھل اٹھا ہو' لیکن کبھی کبھی کوئی ایسا شخص نشانہ اجل ہو جاتا ہے کہ اس کے مر جانے سے لاکھوں انسانوں کی کمر ہمت ٹوٹ جاتی ہے یا ایک ملک کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے یا ایک تحریک کی موت واقع ہو جاتی ہے' یا اس کی قربانی سے ایک تحریک کو نئی زندگی مل جاتی ہے اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قتل و خونریزی کے واقعات ہر ملک میں رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی کسی ایک شخصیت کے قتل کر دیئے جانے سے تہلکہ مچ جاتا ہے بلکہ ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے کہ کتنے ہی ملکوں اور قوموں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے' جون 1914ء میں سارا یادو کے مقام پر آسٹریا کے شہزادے کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تو اس کی ایک گولی نے دنیا بھر کے اسلحہ خانوں کو ایسی آگ دکھائی کہ پوری دنیا ایک ہولناک جنگ کی گرفت میں آگئی اور چار سال تک دنیا کی مختلف اقوام کشت و خون میں مصروف رہیں۔ لاکھوں ایسے افراد جنہوں نے شہزادے کا نام بھی نہ سنا تھا بلکہ آسٹریا اور سارا یادو تک کے ناموں سے محض نا آشنا تھے اس نامعلوم قاتل کی ایک گولی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

واقعۂ کربلا کے مرکزی کردار حضرت امام حسینؓ کے نام نامی اور اسم گرامی سے کون شخص واقف نہیں حسب و نسب کے اعتبار سے آپ اس ذات والا صفات کے نواسے تھے جو وجہ تخلیق کائنات اور باعث تکوین حیات تھی اور خود آنحضورؐ کے داوا آپ کے پردادا تھے۔ آپکی ولادت ہوئی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً تشریف لائے اور حضرت صفیہؓ کو آواز دیکر فرمایا کہ میرا بیٹا میرے پاس لاؤ۔ جب بچے کو ایک

www.taemeernews.com

سفید چادر میں لپیٹ کر آنحضورؐ کے پاس لایا گیا تو حضور نے اسے پیار کیا اور اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ نام کے متعلق پوچھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہ نے عرض کیا "جو نام اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہو وہی بہتر ہے"۔ چنانچہ امام عالی مقام کا نام حسینؓ رکھا گیا۔ یہ نام بھی اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کے مطابق رکھا گیا اور علامہ ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں عمران بن آل سلیمان کی روایت سے لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسنؓ اور حسینؓ یہ دونوں نام اسمائے اہل جنت میں سے ہیں۔

یہ روایت بھی موجود ہے کہ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی شخص کا نام محمدؐ نہیں رکھا گیا اسی طرح حضرت علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ بھی ایسے نام ہیں کہ ان سے پہلے کسی شخص کے یہ نام نہیں ہوئے۔ گویا یہ نام ازل سے انہی مبارک اور مقدس ہستیوں کے لئے مخصوص اور محفوظ تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں نواسوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ سے جو بے پناہ محبت تھی اس کا تذکرہ احادیث رسولؐ اور کتب سیر میں نہایت کثرت اور تفصیل سے موجود ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا اور دونوں کانوں سے سنا کہ جناب رسالت مآب امام حسینؓ کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور امام حسینؓ کے دونوں قدم سینہ مبارک پر تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ اے مچھر کی سی آنکھ کی طرح ننھے بچے آگے بڑھ ، سہج سہج۔ راوی کا بیان ہے کہ شہزادہ اتنا آگے بڑھا کہ اس کے دونوں قدم حضورؐ کے سینہ مطہر پر رکھے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اپنا منہ کھول اور آپ نے ان کے منہ کو چوما پھر فرمایا ' پروردگار میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ![1] ابو ہریرہ ہی کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ جناب امام حسینؓ تشریف لائے اور آنحضرت کی آغوش مبارک میں لیٹ گئے اور اپنی

---

1 - ذبح عظیم - مصنف فوق بلگرامی - ص - 15

www.taemeernews.com

انگلیاں آپ کی ریش اقدس میں ڈالنے لگے۔ آنحضرت صلعم نے آپ کے منہ کو کھولا اور اپنا منہ آپ کے منہ پر رکھا پھر فرمایا پروردگار! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں۔ تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جو اس کو محبوب رکھے[1]

محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ آنحضورؐ نماز پڑھتے ہوئے سجدے کی حالت میں ہوتے اور یہ دونوں بھائی فرط محبت سے حضورؐ کے کندھوں پر سوار ہو جاتے تو حضورؐ اپنے سجدے کو طویل کر دیتے۔ کسی چیز کی فرمائش کرتے تو حضورؐ جب تک ان کی فرمائش پوری نہ کر دیتے آپ کو چین نہ آتا تھا۔ کسی وجہ سے اگر ان دونوں میں سے کسی کے رونے کی آواز آتی تو بے قرار ہو جاتے ایک بار اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر سے نکل کر جناب فاطمہؓ کے دروازے پر سے گذرے تو حسینؓ کے رونے کی آواز آئی فوراً گھر میں داخل ہو کر فرمایا

"فاطمہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ اس کے رونے سے میرا دل دکھتا ہے"۔

تواریخ و سیر میں متعدد مصدقہ روایات اس امر پر شاہد ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، سیدہ فاطمہؓ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو اپنے اہل بیت کہا ہے۔ اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے احادیث میں آیا ہے کہ "آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے کہ

سوا اس کے نہیں کہ ارادہ کرتا ہے اللہ کہ دور رکھے تم سے
نجاست کو اے اہل بیت: اور پاک کر دے تم کو جو حق
پاک کرنے کا ہے۔

میں دروازہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور گھر کے اندر رسول خداؐ اور علی مرتضیٰؓ جناب سیدہؓ اور حسنینؓ تشریف رکھتے تھے۔ پس آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو کپڑا اوڑھایا اور فرمایا۔ "اے میرے پرور دگار! یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے مدد گار ہیں، ان کو نجاست سے دور رکھ اور ان کو ایسا پاک کر دے جیسا کہ پاک

---

1 - ذبح عظیم - مصنف نوق بلگرامی - ص - 18

www.taemeernews.com

کرنے کا حق ہے![1]

چادر اوڑھانے کی نسبت سے انہی نفوس قدسیہ کو آل عبا کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اپنی شرافت نسبی اور رسول اکرمؐ کے فرزند دلبند ہونے پر خود امام عالی مقام بھی بجا طور پر فخر کا اظہار فرماتے تھے چنانچہ جب عشرہ محرم کے روز آپ نے اپنی مختصر سی جماعت کو یزیدی لشکر کے مقابلے میں صف آرا کیا تو اتمام حجت کے طور پر آپ نے جو تقریر فرمائی اس میں اپنے متعلق یہ الفاظ فرمائے۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو سوچو میں کون ہوں۔ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو' خوب غور کرو کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟۔ کیا میں تمہارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا اور اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہؐ کا یہ مشہور قول نہیں سنا جو آپ میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ سید شباب اہل الجنۃ یعنی جنت میں نوعمروں کے سردار۔ اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا تو بتاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہئے"؟[2]

لیکن صرف شرافت

نسبی یا رسول کی فرزندی ہی جناب حسینؓ کے لئے فخر و مباہات کا باعث نہ تھی۔ نہ محض رسول اکرمؐ انہیں صرف نواسے ہونے کے تعلق سے تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ محبوب رکھتے تھے بلکہ چشم نبوّت جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقبل کا مشاہدہ کرنے کی قوت بھی حاصل تھی اس پر یہ چیز روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ آپ کے یہ دونوں نواسے آگے چل کر تاریخ اسلام کی تشکیل میں اتنے اہم کردار ادا کریں گے

---

1 - ذبح عظیم - مصنف فوق بلگرامی - ص - 18
2 - شہادت حسین از مولانا ابوالکلام آزاد - ص - 40

www.taemeernews.com

کہ تاریخ انسانی کے افق پر قیامت تک چاند اور سورج کی طرح روشن رہیں گے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ رسول اکرمؐ حضرت امام حسنؓ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ امت کے دو مخالف گروہوں میں صلح کرائے گا۔ آنحضرتؐ کی یہ پیش گوئی اُس وقت پوری ہوئی جب جناب حسنؓ نے خلافت سے دست بردار ہو کر امت کے دو بڑے گروہوں کے درمیان جنگ و جدل کی آگ بجھادی۔ سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کے متعلق نہایت واضح ارشادات رسول اکرمؐ کی کئی احادیث میں موجود ہیں بلکہ بعض لوگوں کی تحریروں کے مطابق تو رسول پاکؐ نے امام حسینؓ کی پیدائش کے وقت ان کی آئندہ شہادت کے متعلق خبر دے دی تھی۔ ایران کے ایک مشہور معاصر اہل قلم جناب راہنما اپنی کتاب "زندگانی حسینؓ" میں لکھتے ہیں۔

محمد اُو را با دست خود بالا گرفت و بالا بردو بہ پیشانی او
بوسہ نہاد و در یک گوشِ او اذان گفت و در گوش دیگر او
تسبیح خدارا خواند و گفت، نفریں بر آں مردمی کہ ترا بکشند [1]

ترجمہ

رسول پاک نے انہیں اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور بلند کیا اور
ان کی پیشانی پر بوسہ دیا ایک کان میں اذان دی اور ایک
میں تسبیح پڑھی اور فرمایا ان لوگوں پر حیف ہے جو تجھے قتل
کریں گے

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک بار جب ننھے حسینؓ نے اپنی والدہ مکرمہ سے شکایت کی کہ نانا جان نے حسنؓ کے چہرے اور آنکھوں پر بوسے دیئے لیکن میری آنکھوں اور چہرے کو چومنے کی بجائے گلے کو چوما تو سیدہ کے پوچھنے پر آنحضورؐ نے فرمایا

"فاطمۂ من! امروز را تو می بینی و فردا را من"

---

1 - زندگانی حسینؓ - ص - 189

www.taemeernews.com

میری فاطمہ! تو آج کو دیکھتی ہے میں کل کو دیکھ رہا ہوں "۔

امام عالی مقام کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت محض گوشت پوست اور خون کے رشتے سے نہ تھی ہرچند کہ تعلق بھی محبت کی ایک وجہ ضرور تھا لیکن اس کا اصل سبب وہ عظیم الشان کام تھا جو اس سردارِ جنت کو اپنی عمر کے آخری دنوں میں سرانجام دینا تھا اور جو آنحضرت کے ضمیر نبوّت پر نہایت وضاحت کے ساتھ منعکس تھا۔ اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے ان دونوں کی ابتدائی تربیت کا فریضہ خود رسول پاکؐ کو سونپا گیا اور آنحضورؐ اور آنحضورؐ کے بعد حضرت علیؓ کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ خانوادہ رسول کے یہ دونوں ارکان راست بازی، خدا ترسی، امانت، دیانت، حمیّت، سخاوت، شجاعت کے مثالی پیکر بنے۔ چنانچہ جب امام حسینؓ نے لشکر اعدا کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

اگر یہ میرا بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا"۔

تو اس طرح انہوں نے اپنے مثالی کردار کے ایک پہلو کی ایک جھلک ہمیں دکھائی ہے۔

آپ کے مثالی کردار کی شہادت آپ کے دوستوں اور دشمنوں نے یکساں طور پر دی ہے کربلا کے سفر میں کوفہ سے آنے والے چار سوار ان سے آکر ملے۔ ان سواروں میں سب سے آگے طرماح بن عدی اس مضمون کے اشعار پڑھتا چلا آرہا تھا۔

"اے میری اونٹنی میری ڈانٹ سے ڈر نہیں۔
طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل۔ اچھے مسافروں کو لے
چل۔ سب سے بہتر سفر پر چل۔ یہاں تک کہ
شریف النسب آدمی تک پہنچ جا"۔
وہ عزت والا ہے۔ آزاد ہے۔ فراخ سینہ ہے،

www.taemeernews.com

اللہ اسے سب سے اچھے کام کے لئے لایا ہے۔
خدا اسے ہمیشہ سلامت رکھے۔

اور جب کربلا کے میدان میں بدبخت سنان بن انس نے شہید کربلا کا سرتن سے جدا کیا تو کٹے ہوئے سر کو خولی بن یزید اصبحی کے حوالے کرنے کے بعد دوڑا ہوا عمرو بن سعد کے پاس خیمے کے سامنے جا پہنچا اور عالم وحشت میں چلا چلا کر کہنے لگا۔

"مجھے چاندی سونے سے لاد دو۔ کیونکہ میں نے بہت محبوب بادشاہ کو قتل کیا ہے۔ میں نے اسے قتل کیا ہے جو انسانوں میں سب سے اچھا تھا اور جس کے ماں باپ نسب میں سب سے افضل تھے۔ اور وہ بھی اپنے نسب میں سب سے اچھا تھا"۔

سانحہ کربلا کے مرکزی کردار سیدنا امام حسینؓ کی شخصیت کا یہ ایک نہایت اجمالی خاکہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے عظیم انسان کو جب اتنا بڑا سانحہ پیش آئے کہ ان کے بھائی، ان کے بھتیجے اور خود ان کے بیٹے جو تین دن کے پیاسے بھی تھے ایک ایک کرکے ان کے سامنے شہید کر دیئے جائیں تو انہیں میدان جنگ سے ان کی لاشیں اٹھا اٹھا کر لانی پڑیں اور ان کا معصوم بچہ جو پیاس سے جاں بلب ہو ان کے ہاتھوں میں ظالم دشمن کے ایک تیر کے ذریعے جام اجل نوش کرے اور آخر میں انہیں خود تن تنہا دشمن کے ایک پورے لشکر کے خلاف نبرد آزما ہو کر اپنی جاں بھی جہاں آفریں کے راستے میں نچھاور کرنی پڑے تو اس سانحہ کی لامحدود اہمیت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ کربلا کا یہ سانحہ اپنے اسی مرکزی کردار کی وجہ سے دنیا کی تاریخ میں انتہائی اہم اور اپنی نوعیت کے واقعات میں اہم ترین شمار ہوتا ہے۔

www.taemeernews.com

سانحہ کربلا کا واقعاتی پہلو

جہاں تک اس سانحے کے واقعات کا تعلق ہے مختلف کتابوں میں ان کی تفصیلات نہایت وضاحت سے موجود ہیں۔ ایسی کتابوں کے علاوہ جن کی حیثیت تاریخی ہے بہت سے شعراء خصوصاً برّصغیر ہندو پاکستان کے شعراء نے اپنے لکھے ہوئے طویل مرثیوں میں اس سانحہ کی ایسی تفصیلات قلمبند کی ہیں کہ حق و باطل کے اس عظیم رزمیے کی تمام جزئیات صفحات قرطاس پر محفوظ ہو گئی ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان شعراء نے اور بعض نثر نگاروں نے بھی اس محبت اور عقیدت کی بناپر جو انہیں امام عالی مقام اور خانوادہ رسولؐ سے ہے اور اس نفرت کے واسطے سے جو انہیں خانوادہ رسولؐ کے دشمنوں سے ہے واقعات پر کہیں تحسین و آفرین کے پھولوں کے ڈھیر لگا دیئے اور کہیں نفرین اور لعن طعن کی راکھ کی تہیں جمادی ہیں تاہم پھولوں کے ان ڈھیروں اور راکھ کی ان تہوں کے نیچے واقعات کو اپنی اصلی شکل وصورت میں آسانی کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ دنیا کی کسی جنگ کی ایسی تفصیلات قلم بند نہیں ہوئیں جن میں ایک ایک لڑنے والے ' ایک ایک قتل کرنے اور ایک ایک قتل ہونے والے نے میدان جنگ میں جس انداز سے اپنا کردار نبھایا اس سے پڑھنے والوں کو پوری آگاہی ہو سکے۔ صرف کربلا کا واقعہ ہی ایک ایسا تاریخی سانحہ ہے کہ جس کے متعلق ہمیں ایسی تمام تفصیلات نہایت وضاحت سے ملتی ہیں۔

اب ہم واقعہ کے تیسرے پہلو کو لیتے ہیں یعنی یہ واقعہ کیوں پیش آیا۔ واقعہ کا یہ پہلو دوسرے دونوں پہلوؤں سے زیادہ اہم بھی ہے، کیونکہ اس سے ہمیں واقعات کے وجوہ واسباب کا پتہ چلتا ہے اور ان وجوہ واسباب کی بناپر ہم اس سانحہ کی حقیقت کو بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

www.taemeernews.com

حقیقت یہ ہے کہ جس زمانے میں اسلام کا ظہور ہوا وہ شخصی حکومتوں اور مطلق العنان بادشاہوں کا زمانہ تھا۔ جمہوریت جس کے مفہوم اور عملی پہلوؤں سے اس زمانے کے لوگ بخوبی واقف ہیں اس زمانے میں ایک موہوم چیز تھی' ظہور اسلام سے پہلے جمہوریت کا تصور صرف قدیم یونان کی جمہوری شہری ریاستوں میں ملتا ہے'لیکن ان جمہوریتوں میں ہر شہر کا اپنا علیحدہ جمہوری نظام تھا' ان جمہوریتوں کی حدود مختصر اور ذمہ داریاں محدود ہوتی تھیں اور اہم مسائل پر غور و فکر کیلئے تمام لوگ شہر کے بڑے چوک میں جمع ہو کر اپنی رائے دینے کے مجاز تھے۔ اس طرح ہر شہری امور ریاست کی سرانجام دہی میں براہ راست شریک ہوا کرتا تھا'گویا ریاست اور عوام دونوں ایک ہی چیز تھے اور دونوں کے درمیان کسی طرح کا حجاب حائل نہ تھا۔

اس قسم کے جمہوری نظام کا قیام چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں میں تو ممکن تھا لیکن بڑے ملکوں میں قطعی طور پر ناقابل عمل تھا'لہٰذا قدیم یونانی شہری ریاستوں کا تجربہ دوسرے ممالک میں دہرایا نہ جا سکا اور تمام بڑی بڑی مملکتوں بلکہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بھی مطلق العنان بادشاہتیں قائم ہو گئیں۔ مختلف ممالک میں جو مذہبی رہنما آگے آئے ان میں سے بعض نے ان مطلق العنان بادشاہتوں کی تائید کی اور اس تائید کے بل بوتے پر بادشاہوں نے اس سیاسی فلسفے کی تبلیغ کرائی جسے بادشاہوں کے حق آسمانی (DIVINE RIGHTS OF KINGS) کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ ایک بڑی تاریخی حقیقت ہے کہ تاریخ بنی نوع انسان میں انسانی اخوت' جمہوریت اور مساوات کے واضح اور پاکیزہ تصورات سب سے پہلے ہمارے آقائے نامدار سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائے اور نہ صرف ایک ایسے مکمل جمہوری نظام کا نظریہ متعارف کرایا جس میں ملکی معاملات عوام کے نمائندوں کی باہمی مشاورت سے طے ہوں بلکہ مدینہ طیبہ میں عملی طور پر ایک مثالی جمہوری نظام قائم کر کے اس زمانے کے شاہ پسند معاشروں کے علمبرداروں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ یہ بات اس دور کے لوگوں کے ذہنوں سے بہت بالا تھی کہ حکومت کا کاروبار کسی

www.taemeernews.com

آمر مطلق کے بغیر چل سکتا ہے۔ انہیں اسلام کے نظام مساوات پر بھی بڑا تعجب ہوتا تھا کیونکہ اس سے پہلے نہ تو ان کے مشاہدے میں آیا تھا نہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی روایات میں کہیں یہ سنا تھا کہ کوئی ایسا معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جس میں تمیز بندو آقا مفقود ہو۔

قرآن حکیم جو انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جانے والا آخری صحیفہ ہے اس کائنات کی وہ اولین الہامی کتاب ہے جس میں شروع سے لے کر آخر تک "انما المومنون اخوۃ" کا درس رنگارنگ پیرایوں میں دیا گیا ہے۔ اس کتاب مقدس میں مومنین کی پہچان کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاملات حکومت سے باہمی مشاورتوں کے ذریعے طے کرتے ہیں "وامرہم شوری بینہم" حتیٰ کہ رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ "شاورہم فی الامر" معاملات حکومت میں مسلمانوں سے ان کی رائے لیں اور ان کی رائے سے سیاسی پیچیدگیاں حل کریں۔ اس فرمان خداوندی میں بنیادی حکمت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں جمہوری راہیں ہر سو بچھ جائیں ورنہ ظاہر ہے کہ تائید وحی کی موجودگی میں رسول اکرمؐ کی ذات والا صفات کسی مشاورت کی محتاج نہ تھی اور صحابہ کرام کو حضورؐ کی ذات سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ حضورؐ کے ہر حکم کی بے چون وچراں تعمیل کو اپنے لئے باعث سعادت خیال کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

اسلامی نظام حکومت میں رخنہ اندازی

رسول اکرمؐ کے وصال کے بعد وہ جمہوری نظام جس کی بنیاد حضورؐ نے رکھی تھی، اپنی پوری انقلابی روح کے ساتھ جاری رہا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتخاب سراسر جمہوری اصولوں پر ہوا اور رسول پاکؐ کے ان عالی مرتبت جانشینوں نے حکومت کے فرائض قرآن و سنت کی روشنی اور باہمی مشاورت کے اصول کے مطابق نہایت عمدگی سے سرانجام دیئے! البتہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت کے آخری سالوں میں رائے عامہ میں انتشار نمودار ہوا اور حالات اس درجہ ناخوشگوار شکل اختیار کر گئے کہ بعض فتنہ جُو مدینہ پر چڑھ آئے اور شہادت عثمان کا المیہ پیش آیا۔

یہ تفصیل کا وقت نہیں ہے تاہم مؤرخ ابن عبدربہ نے جناب عثمانؓ غنی اور جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے مابین جو جرح اپنی کتاب عقد الفرید میں درج کی ہے اور مسعودی اور دوسرے مؤرخین نے جو کچھ کہا ہے [1] اس کی رو سے امیر معاویہ کی حکومت کا معیار وہ نہ تھا جو جناب ابو بکرؓ اور جناب عمرؓ فاروق کے عمال کا انداز تھا۔ جناب امیر معاویہ نے حضرت عثمان غنیؓ کی نرم روی سے فائدہ اٹھا کر خود کو پورے شام کا حاکم مجاز بنالیا تھا اور شام کی حکومت ان کے شخصی اقتدار کا مظہر بن گئی تھی۔ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے انکار کیا اور اس نامہ خلافت کی بھی پرواہ نہ کی جو خلیفہ راشد نے اپنے جائز اختیارات استعمال کر کے ان کے نام بھیجا اور انہیں ان کے منصب سے معزول کر دیا تھا۔

---

1 - تفصیل کیلئے دیکھئے عقد الفرید ج - 3 - ص 728 - مسعودی ج - 2 - 240 - 241 - 243
نیز ابن کثیر ج - 7 - ص - 215

www.taemeernews.com

مجھے جناب امیر معاویہ پر ردوقدح منظور نہیں ہے۔ میں تو صرف اس امر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتخاب اسی طرح ہوا تھا جس طرح جناب ابو بکر صدیقؓ، جناب فاروقؓ اور جناب عثمان غنیؓ کا ہوا تھا۔

بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتخاب جناب عثمان غنیؓ کے چناؤ کی نسبت زیادہ جمہوری تھا۔ جناب عثمان غنیؓ کو تو اس ایک شخص نے امارت سونپی تھی جسے انتخابی بورڈ نے اپنے اختیارات تفویض کر دیئے تھے۔

اس کے برعکس جناب علی مرتضیٰؓ کو مدینہ کے عوام و خواص نے باقاعدہ ووٹنگ کر کے مسند خلافت سونپی تھی۔ کئی دن ووٹنگ ہوتی رہی تھی اور کوئی ایک فرد واحد ان کا چناؤ کرنے والا نہیں تھا۔ان کا چناؤ کرنے والے سارے مدینہ کے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

مجھے ان لوگوں سے اختلاف ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جناب علیؓ کا انتخاب آزادانہ اور جمہوری انتخاب نہ تھا اور بلوائیوں نے حضرت علیؓ کی بیعت جبراً لی تھی۔

یہ خیال تاریخ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی بیعت قطعی طور پر بیعت عامہ تھی بلکہ اس میں جناب علی مرتضیٰؓ کی خواہش کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ مدینہ کے عوام نے آپ اپنی مرضی سے ان کو خلیفہ کے طور پر چُنا تھا اور بہ اصرار انہیں خلافت پیش کی تھی، وہ تو اس وقت اپنی بجائے دوسرے اکابر اور خلافت کے اہل اصحاب کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر بہ دل وجان راضی تھے مگر عوام کے نزدیک وہ باقی سب میں خلافت کے زیادہ اہل تھے۔

اور پھر یہی نہیں جناب علی مرتضیٰ کی خلافت کو اس وقت کی اسلامی دنیا نے بجز صوبہ شام کے اسی طرح قبول عام بخشا جس طرح حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو تسلیم کیا تھا۔

کاش امیر معاویہ جمہور مسلمانوں کی رائے کا احترام کرتے اور اسی طرح

www.taemeernews.com

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے جس طرح حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ اس وقت دے دیا تھا جب جناب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلافت سونپی اور ان سے بیعت کی تھی حالانکہ اس بیعت سے پہلے وہ اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ اہل جانتے تھے اور وہ خلافت کے باقاعدہ امیدوار تھے۔

امیر معاویہؓ کی حیثیت یہ نہ تھی امیر معاویہ اس بورڈ کے رکن نہ تھے جسے عمر فاروقؓ نے اپنی شہادت کے وقت خلیفہ منتخب کرنے اور خلافت کا منصب پانے کا اہل ٹھہرایا تھا۔ اس بورڈ میں جو لوگ شریک تھے ان میں ایک جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف، دوسرے جناب سعدؓ بن ابن وقاص، تیسرے جناب زبیرؓ بن العوام، چوتھے جناب طلحہؓ، پانچویں جناب عثمان غنیؓ اور چھٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ ساتویں رکن اس بورڈ کے جناب عبداللہؓ بن عمرؓ تھے مگر انہیں خلافت پانے کا اہل نہیں بنایا گیا تھا۔ انہیں صرف خلیفہ منتخب کرنے کیلئے اپنی رائے دینے کا حق ملا تھا۔

خلافت پانے والے ان اکابر میں سے جنگ صفین کے وقت صرف حضرت سعدؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ زندہ تھے۔ جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف، جناب زبیرؓ، جناب طلحہ اور جناب عثمانؓ اس دنیا سے رحلت فرما چکے تھے اور جناب سعدؓ بن ابی وقاص اور جناب عبداللہؓ بن عمرؓ حضرت علی کو خلیفہ مان چکے تھے۔

جمہور مسلمانوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر اتفاق کیا ہے اور یہ اتفاق کیوں نہ ہوتا کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے خلافت کے اہل تھے۔

وہ حضورؐ پر اسلام لانے والے پہلے مقدسین میں سے ایک تھے اور مؤرخ الطبری کی رو سے تو وہ حضورؐ پر حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام لائے تھے اور حضورؐ کے ساتھ پہلی نماز پڑھی تھی۔ الطبری کے الفاظ ہیں:

اول من صلی علی [1]

1۔ الطبری۔ جز۔ 2۔ ص313۔ ابن کثیر۔ جز۔ 2ص۔ 21

www.taemeernews.com

الطبری نے جابر کی یہ روایت بھی اخراج کی ہے۔

بعثت رسول الله یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلاثه

رسول اللہ سوموار کے دن نبی بنائے گئے اور علیؓ نے منگل کے دن نماز پڑھی[1]

مؤرخ المسعودی کے نزدیک تو اکثر مؤرخین اور اصحاب حدیث کی رائے یہ تھی :-

انه لم یشرک بالله شیا فیالف الاسلام بل کان تابعا للنبی صلی الله علیه وسلم فی جمیع انعاله مقتدیا به وبلغ هو علی ذالک[2]

کہ علیؓ نے اللہ کے ساتھ شرک کا گناہ بالکل نہیں کیا۔ وہ اسلام کے سوا کسی مسلک سے بالکل نا آشنا تھے۔

وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام اور ہر طریق کی پیروی کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیشوا بناتے۔ اسی حال میں وہ بالغ ہوئے۔

بلوغ کے بعد بھی وہ حضورؐ ہی کے مسلک پر چلے اور کبھی کوئی بات حضورؐ کے مسلک کے خلاف نہ کی۔

ہجرت کی کٹھن گھڑی وہ حضورؐ کے بستر پر حضورؐ کی چادر اوڑھ کر سوئے کہ حضورؐ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں اور حضورؐ کے بستر پر اٹھنے والی مخالف نگاہیں حضورؐ کے بستر کو خالی پا کر حضورؐ کی عدم موجودگی کا احساس نہ کر سکیں۔

حضورؐ حضرت علیؓ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز جانتے تھے اور ان سے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو بیاہ دیا تھا۔

گو یہ وقت جناب علی کرم اللہ وجہہ کی خوبیوں کے شمار کا نہیں ہے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ اپنی حسنات اور صلاحیتوں کے باعث خلافت پانے کی پوری صلاحیتیں ان میں موجود تھیں۔

---

1 الطبری - جز - 2 - ص - 313 - 314

2 المسعودی - جز - 2 - ص - 283

www.taemeernews.com

جناب امیر معاویہ تو کسی بھی اعتبار سے ان کے مدمقابل بننے کے اہل نہیں تھے۔ وقت نے اور حالات نے بلاشبہ انہیں شام کی امارت کی مسند پر بٹھادیا تھا کہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کی اچانک وفات کی گھڑی اپنے بھائی کے پاس تھے !

اور ان کے اس بھائی نے انہیں مرتے وقت اپنی ماتحت فوج کا سربراہ بنادیا تھا اور جناب عمر فاروقؓ نے مکہ کے مسلمان سپاہیوں کی تالیف قلب کے سبب ان کی امارت قبول کرلی تھی اور انہیں ان کے منصب سے نہ ہٹایا تھا۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امیر معاویہ حضرت عمر فاروقؓ کے معتمدین میں سے نہ تھے۔

ان کا شمار ان عُمّال میں نہ تھا جن پر حضرت عمر فاروقؓ بھروسہ کرتے تھے۔

بلکہ حضرت عمر فاروقؓ نے تو انہیں معزول کرنے کی ٹھان لی تھی لیکن جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ان کی سفارش کی اور حضرت عمر فاروقؓ کو احساس دلایا تھا کہ اگر انہوں نے امیر معاویہ کو دمشق کی محافظ فوج کی سرداری سے ہٹادیا تو مسلمین مکہ بددل ہو جائیں گے اور جناب عمر فاروقؓ جو عوامی زیست میں ہر عوامی گروہ کے جذبات کا احترام کرنا ضروری سمجھتے تھے اپنے ارادہ سے باز آگئے اور شہادت کے وقت تک ان سے ان کا منصب نہ چھینا۔

اس کے باوجود وہ انہیں پسند نہ کرتے تھے اور وہ ان کے معتمدین میں شامل نہ ہوسکے تھے۔ اس کے برعکس جناب علی مرتضٰیؓ حضرت عمر فاروقؓ کے اس قدر معتمد تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ جب بھی ریاست کے دور دراز کے دورے پر روانہ ہوئے تو انہیں اپنا نائب السلطنت بنا کر گئے۔ ان کے سوا انہوں نے کبھی کسی دوسرے کو اپنی نیابت نہ سونپی۔

وہ ان سے ہر بات میں مشورہ کرتے اور ان کے ہر مشورے پر عمل کرتے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ جناب علی مرتضٰی نے مسند خلافت کو پالینے کے بعد امر خلافت کو جس طرح نبایا وہ بالکل فاروقی مسلک تھا۔ بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ

1- الطبری - جز - 5 - باب وباء عمواس

www.taemeernews.com

مسلک تو حقیقت میں خود جناب علیؓ کے مشوروں کا مرہون تھا۔ "اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا" کا قولِ فاروقی خود اس پر شاہد عادل ہے۔ اسی لئے جناب علیؓ نے بھی اپنے فرائض کو بالکل ویسے ہی ادا کیا جس طرح عمر فاروقؓ نے کیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ویسی ہی سہولتیں بہم پہنچائی تھیں جیسی حضرت عمر فاروقؓ نے بہم پہنچائی تھیں۔

وہ خشک کھانا کھاتے، کوتاہ لباس پہنتے، غریب سے غریب عرب دیہاتی کے لباس میں خود کو ملبوس رکھتے۔ ریاست کے خزانہ میں سے اپنے اوپر کچھ خرچ نہ کرتے۔ وہ راہ بھٹکے ہوئے مسافروں کو راستہ دکھاتے۔ وہ کمزوروں کی مدد کرتے۔

انہوں نے مسعودی کے الفاظ میں:
لم یبس علیه السلام فی ایامه ثوبا جدیداً
کبھی اپنے پورے عہد خلافت میں کوئی نیا کپڑا اپنے جسم پر نہ پہنا۔

وہ صرف دو درہم روزانہ خزانہ سے لیتے اور اسی میں اپنی بسر اوقات کرتے [1]

مؤرخ ابن کثیر کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے سامنے جناب علیؓ کا ذکر آیا تو انہوں نے قسم کھا کر شہادت دی:

وَاللہ انه ازهد الناس
بخدا علیؓ ساری دنیا کے لوگوں کی نسبت زیادہ پرہیزگار تھے [2]

اور یہ نہیں کہ جناب امیر معاویہ کو حضرت علیؓ کی ان حسنات کا علم نہ تھا۔ ان کے دربار میں حاضر ہونے والے کئی سفیروں نے جن میں سے ایک مشہور سردار اور معتبر مسلمان ضرار بن حمزہ بھی تھے، قسم کھا کر امیر معاویہ کو بتایا تھا۔

---

1 - المسعودی ج۔ 2۔ ص۔ 241

2 - ابن کثیر ج۔ 8۔ ص۔ 5

www.taemeernews.com

يعجبه من الطعام ما خشن ومن اللباس ما قصر وكان والله يجيبنا اذا دعوناه ويعطينا اذا سالناه ويعظم اهل الدين ويرحم المساكين ويطعم في المغبته يتيما ذا مقربة ومسكينا ذا متربته يكسوا العريان وينه اللغمان ويتوحش من الدنيا وزهرتها [1]

انہیں سوکھی روٹی پسند آتی ہے اور مختصر اور کوتاہ لباس اچھا لگتا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ ہم جب ان کو پکارتے ہیں تو وہ ہماری آواز کو سنتے اور ہماری باتوں کو مانتے ہیں۔ جب ہم ان سے کچھ مانگتے ہیں تو وہ ہماری مانگ پوری کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک دینداروں کی بڑی منزلت ہے۔ وہ مسکینوں اور عاجزوں پر بڑے مہربان ہیں۔ وہ بھوکوں کو بھوک کے وقت کھانا کھلاتے ہیں۔ وہ یتیموں کو خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا رشتہ دار نہ ہوں دور کے لوگ ہوں رزق مہیا کرتے ہیں وہ ننگے کو لباس عطا کرتے ہیں اس کا ننگ ڈھانک دیتے ہیں اور کمزوروں اور لاچار انسانوں کا سہارا بنتے ہیں۔ انہیں دنیا اور اس کی زینتوں سے نفرت ہے [2]

اور سچ جانئے تو اسلام اسی لئے دنیا میں آیا تھا۔ اس نے سیاسی حکمرانی کی بنیاد اس لئے رکھی تھی کہ انسانی معاشرہ سے بھوک ننگ اور عاجزی و لاچاری ناپید ہو جائے۔ حضور ہادی اسلامؐ جب تک اس دنیا سے رخصت نہ ہوئے ان کی ساری توجہ اسی شے پر مبذول رہی اور انہوں نے عوام النّاس کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دی خود روکھا سوکھا کھایا۔ کوتاہ لباس پہنا بھوکے رہے مگر عوام النّاس کی بھوک اور ننگ دور کرنے کے لئے ہر وہ کام کیا جو ان کے بس میں تھا۔

یہی کچھ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک مختصر عہد میں کیا یہی کچھ جناب عمر فاروقؓ اپنے زمانے میں کرتے رہے تھے یہی سنت نبویؐ یہ مسلک صدیقی اور روش فاروقی تھی اور اسے ہی اسلام نے اپنے سیاسی غلبہ کی اساس و بنیاد بنایا تھا۔

1 - المسعودی ج- 2- ص- 422

2 - مسعودی ج- 2- ص- 432

www.taemeernews.com

اسلام کے مجاہدین نے اپنی جانیں اور اپنے مال اس لئے اسلام کو سونپے تھے کہ اس دنیا میں ایک ایسا معاشرہ اور سیاسی جمہوری نظام وجود میں آئے جس میں کوئی کسی کا استحصال نہ کر سکے اور کوئی بڑے سے بڑا آدمی عوامی زیست کو نظر انداز نہ کرنے پائے۔

جناب علی مرتضیٰؓ روکھی سوکھی کھاتے' بے رنگ کمبل کا لباس پہنتے' کچے اور زمین دوز حجروں میں رہائش رکھتے، مزدوروں کی شکل و صورت میں بازاروں میں گھومتے تو صرف اس لئے گھومتے تھے کہ لوگوں کو ان کے طریق کار پر چلنے کی ترغیب ہو اور لوگ یہ جانیں کہ اسلام کے نزدیک حکومت کی مسند پر متمکن ہونے والے اصحاب کے فرائض کیا ہیں اور میں تو سمجھتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خلافت کی چادر اپنے کندھوں پر اوڑھتے ہی امیر معاویہ اور دوسرے اموی حکام کی معزولی کے فرمان صرف اسی لئے جاری فرمائے تھے کہ جناب علی مرتضیٰؓ کو یہ اچھی طرح یقین ہو چکا تھا کہ جناب امیر معاویہ اور ان کے ساتھی اسلامی معاشرہ میں زہر گھول رہے تھے اور ان کے سبب وہ معاشی مساوات ختم ہوتی جا رہی تھی جس کے لئے اسلام آیا تھا۔

اسلام امیروں کو ریشم و کمخواب کے لباس پہنانے اور انہیں محلات مہیا کرنے کے لئے نہیں عوامی زیست کی تشنگیوں اور محرومیوں کو ختم کرنے آیا تھا۔ امویوں نے یہ تشنگیاں اور محرومیاں پھر سے معاشرہ کے مزاج میں جبراً داخل کر دی تھیں۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اسی لئے شام گئے تھے کہ وہ ان امویوں کی پیدا کی ہوئی معاشی ناہمواریوں کے خلاف احتجاج کریں اور انہیں شام سے جس طرح نکلنا پڑا تھا وہ بھی جناب علی مرتضیٰ کے سامنے تھا کوئی یہ بات مانے یا نہ مانے میرا تو ایمان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے آپ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسند خلافت کا امین صرف اسی خاطر بنایا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کی خواہشات کے علی الرغم اموی عمال ریاست نے جو معاشی بے چینی اسلامی معاشرہ میں روشناس کرا دی تھی اسے دور کریں اور یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب

www.taemeernews.com

تک زمام کار سیدنا علیؓ جیسے خلیفہ راشد کے ہاتھ میں نہ آجاتی۔

یہی وجہ ہے کہ 'جیسا کہ مؤرخ الطبری 'ابن کثیر' ابن اثیر اور ابن خلدون کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب مسند نشین خلافت ہوئے اور جناب عبداللہ بن عباس نے ان کو رائے دی تھی کہ امیر معاویہ کو خط لکھیں کہ آپ نے انہیں ان کی امارت پر قائم رکھا ہے آپ ان کو یقین دلائیں کہ ان سے ان کی امارت چھینی نہ جائے گی تو جناب علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کی بات نہ مانی تھی اور فرمایا تھا

"معاویہ میرے عامل نہیں بن سکتے اور میں انہیں شام میں امارت نہیں دے سکتا"

اور امیر معاویہ تو امیر معاویہ تھے حضرت علیؓ نے تو خود جناب ابن عباسؓ کو اس وقت سخت سزا دی تھی جب انہیں پتہ چلا تھا کہ جناب ابن عباسؓ نے بصرہ کے عوامی خزانہ کو اپنی ذات پر خرچ کرنا شروع کر دیا ہے۔

مؤرخ الطبری اور مؤرخ ابن عبدربہ نے اس سلسلہ میں وہ مکتوب نقل کیا ہے جو جناب علی مرتضیٰؓ نے اپنے اس چچیرے بھائی جناب عبداللہ کے نام تحریر کیا تھا۔ اس کے الفاظ تھے:

قد اسخطت الله و اخربت امانتک و عصبت امامک و خنت المسلمین انک خربت الارض و اکلت ماتحت یدک فارفع الی حسابک و اعلم ان حساب الله اعظم من حساب الناس۔ والسلام

تو نے اللہ کو ناراض کر دیا ہے اور اپنی دیانت مجروح کر دی ہے۔ تو نے اپنے امام کی نافرمانی کی ہے تو نے مسلمانوں کے مال کو اپنے اوپر حلال کیا ہے۔ گویا تو نے دنیا میں فساد و بربادی روشناس کرادی ہے اور اس چیز کو ٹھونس گئے ہوں جو تمہارے پاس تھی میرے پاس حساب پیش کرو اور جان لو کہ اللہ کے پاس حساب دینا بندوں کے پاس حساب دینے سے زیادہ سخت ہے"۔

www.taemeernews.com

اس مکتوب گرامی کے الفاظ پر غور فرمایئے گا یہ کس قدر سخت الفاظ ہیں اور ان کا مخاطب وہ شخص ہے جو ان کا دست راست اور ان کا چچیرا بھائی ہے۔

انہوں نے جب یہ خط لکھا تو انہیں یہ بھی احساس تھا کہ انہوں نے ابن عباسؓ کے ساتھ سختی کی ہے۔ اسی لئے انہوں نے ان کو لکھا کہ:

"اگر میرا بیٹا حسنؓ اور میرا بیٹا حسینؓ بھی یہی کرتے تو میں ان کو بھی سزا دیتا اور ان کا مواخذہ کرتا"۔[1]

جب صورت حال یہ تھی کہ جناب علیؓ مرتضٰی اپنے چچیرے بھائی ابن عباسؓ اور اپنے بیٹوں کو مسلمانوں کے مال کھانے کی اجازت نہ دے سکتے تھے جب وہ ان کو مسلمانوں کے مال کھانے کے جرم میں معزول کر سکتے تھے تو امیر معاویہ کو انہوں نے خلافت کی مسند پر بیٹھتے ہی معزولی کا جو فرمان لکھا تو اس پر تعجب کیوں کیا جائے۔ یہی تو اسلام تھا یہی تو اسلام کی حکمت عملی تھی۔

اموی امراء کا طرز حیات جو بھی ہو لیکن یہ احکام جاری کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ریاست کے خزانہ میں سے اپنی ذات پر دو درہم روزانہ خرچ کرتے تھے۔ سردی میں ایک کمبل نما جبہ اور گرمی میں ایک کھردرا لباس ریاست کے خزانے سے اپنے لئے نکالتے۔

یہ لباس پھٹتا تو اس پر پیوند لگا لیتے۔ کرتے کے دامن گھس جاتے تو انہیں کاٹ دیتے اور کرتا اونچا کر لیتے۔ کفیں پھٹ جاتیں تو انہیں کہنیوں تک کاٹ دیتے۔

وہ جو لباس پہن کر بازاروں میں نکلتے اسے دیکھ کر اجنبی انہیں مزدور سمجھ کر ان کو کہتے: "ہمارا بوجھ اٹھاؤ اے مزدور" اور وہ اسے اٹھا لیتے۔

کیوں کہ انہوں نے پوری ملّت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا وہ امیر معاویہ اور ان جیسوں سے صرف اس لئے لڑتے تھے کہ ان کے نزدیک امیر معاویہ

---

[1] عقد الفرید ج 2 ص 122

www.taemeernews.com

ملّت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ تھے۔ اور میں جو علی علیہ السلام کے اسلام 'اسلام سے ان کے خلوص اور ان کی بے پناہ عقیدت کے سبب ان کا ادنیٰ غلام ہوں یہ پورا پورا یقین رکھتا ہوں اور اس یقین کی روشنی کو عام کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ علی علیہ السلام نے امیر معاویہ کے خلاف اس غرض سے معرکہ آرائی کی تھی کہ امیر معاویہ کی روش حکمرانی خلافت اسلام کے مطابق نہ تھی۔

بلاشبہ اس معرکہ آرائی میں بڑی خوں ریزی ہوئی تھی کئی فتنوں نے مثلاً فتنہ خوارج نے جنم لے لیا تھا مگر وہ حق پر تھے اور حق بالکل ننگی تلوار ہے۔ یہ اندھیرے اور باطل سے مصالحت نہیں کر سکتا اور یہ میرا ہی نظریہ نہیں فاضل جلیل مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے بھی اپنی کتاب "حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" میں اسی نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے۔ مولانا مرحوم نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ بلاشبہ حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"خدا جانے لوگ کس طرح سوچتے ہیں۔ میرا تو حال یہ ہے کہ حضرت امام نے جیسے یہ فرمایا کہ اہل بغاوت سے جنگ کے قوانین کی تعلیم حضرت علیؓ نے ہی دی۔ اسی کے ساتھ میں یہ کہتا ہوں کہ حکومت کے جس نظام کو اسلام نے پیش کیا ہے اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین میں سے ہر ایک نے اپنے عملی نمونوں سے اس نظام پر عمل کر کے دکھایا ہے لیکن یہ بات کہ اپنے اس نظام کے قائم کرنے پر اسلام کو اتنا اصرار ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مسلمانوں کا خون پانی سے زیادہ ارزاں نظر آنے لگے۔ لیکن ہر قیمت پر اس نظام کے قائم کرنے کی کوشش میں مسلمانوں کو آخر وقت تک منہمک رہنا چاہئے۔ اسلامی نظام ریاست میں اتنی اہمیت صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عملی نمونے نے پیدا کر دی ہے اس ریاست میں ادنیٰ سے ادنیٰ چشم پوشی یا مسامحت سے اگر وہ کام لیتے تو شاید نتیجہ نکالنے والے بعد کو نتیجہ نکال لینے کا اس کو بہانہ بنا لیتے کہ حکومت کے جس معیار کو خلفائے راشدین نے دنیا میں قائم کر کے دکھایا تھی تو وہ ایک معیاری حکومت 'لیکن اس میں ان بزرگوں کی

www.taemeernews.com

ذاتی نیک نفسیوں کو دخل تھا خواہ مخواہ حکومت کے اسی قالب پر اصرار کرنے کی ضرورت مسلمانوں کو نہیں ہے جیسا کہ ایک بڑا گروہ خواہ زبان سے اس کا اظہار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو لیکن دل میں شاید یہی سمجھتا رہا یا ممکن ہے اب بھی سمجھتا ہو لیکن صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طفیل ہے کہ عمل کر کے انہوں نے جو کچھ دکھایا یا زبان سے جو کچھ فرمایا وہ تو خیر اپنی جگہ پر ہے اور اس میں ان کی ذات تنہا نہیں ہے لیکن حکومت کے اس نظام کو جو بدلنا چاہتے تھے ان کے مقابلہ میں ہر قسم کی مصلحت اندیشیوں سے بے پروا ہو کر آستینیں چڑھائے سربکف میدان میں کود جانا اور اس طور پر کود جانا کہ بولنے والے تو صرف زبان سے بولتے ہیں کہ ہم اپنے نصب العین کے لئے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کے لئے تیار ہیں لیکن جمل و صفین میں یہ کر کے دکھا دیا گیا کہ دس پانچ نہیں ہزار ہا بقول بعض لاکھوں تک نوبت قتل و شہید ہونے والے مسلمانوں کو پہنچی چلی جاتی تھی۔کشتوں کے واقعی پشتے لگتے چلے جاتے تھے مسلمانوں کی لاشوں کا پہاڑ جمع ہوتا چلا جا رہا تھا لیکن یہ حد تھی کسی نصب العین پر اصرار کی کہ کسی قسم کا کوئی حادثہ یا کوئی مصلحت ان کو بال برابر بھی اس سے نہ ہٹا سکی۔ میں نہیں جانتا کہ کسی نصب العین کے حصول کی کوشش میں اس کی نظیر انسانیت کی تاریخ پیش کر سکتی ہے۔ سب کچھ اسی راہ میں لٹا دیا گیا بلکہ کربلا کے میدان میں تو اسی نصب العین کے پیچھے علیؓ کے گھرانے کا ایک ایک بچہ قربان ہو گیا اور اب سمجھ میں آتی ہے اہمیت اس سیاسی نظام کی جسے "اسلام" نے دنیا میں پیش کیا ہے لوگوں نے اس پر بعد کو عمل کیا یا نہیں' یہ الگ سوال ہے لیکن جمل و صفین و کربلا کے خون سے جریدہ روزگار پر جس نہ ختم ہونے والے اسرار کا نقش دوام قائم ہو گیا ہے کیا اس کو کوئی مٹا سکتا ہے؟ اور جب تک یہ نقش قائم ہے اسلامی نظام سیاست کی اہمیت بہرحال دنیا میں قائم رہے گی"۔

www.taemeernews.com

یقیناً بعض دوسرے لوگوں کی طرح میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اے کاش ملّت میں یہ خون ریزی نہ ہوئی ہوتی اور جنگ صفین اور اس کے بعد کے معرکے گرم نہ ہوئے ہوتے اور تاریخ اسلام کے دامن پر خون مسلم کے دھبے یوں نہ نمایاں ہوتے۔ مگر ایسا کیسے ہوتا جبکہ امیر معاویہ شام کی حکومت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور ان کے خاندان کے دوسرے وہ لوگ جو شہادت عثمانؓ کے بعد اقتدار سے محروم ہوگئے تھے' انہیں ہر وقت اکساتے رہتے تھے کہ علیؓ کے سامنے سر نہ جھکائیں۔

مجھے امیر معاویہ کی دانائی' فہم و فراست اور دوسری خوبیوں کا اسی طرح احساس ہے جس طرح مؤرخ ابن عساکر اور المسعودی کو اعتراف تھا۔ وہ بڑے حلیم الطبع بڑے فیاض اور رحمدل تھے[1] بلاشبہ جیسا کہ مؤرخ ابن خلدون کہتا ہے کہ ان کے زمانہ میں سلطنت کو بڑا استحکام ملا اور سرحدیں بہت مضبوط ہوگئی تھیں اور آہستہ آہستہ جمہور نے انکی حکومت کو تسلیم بھی کر لیا تھا[2]

مگر بات اصول کی ہو رہی ہے! اصولی طور پر اسلام اس لئے اس دنیا میں مبعوث نہیں ہوا تھا کہ کسی شخص واحد' کسی ایک خاندان کی سیاست و حکمرانی کے نظام کی طرح ڈالے اسلام تو ایک ایسی عوامی حکومت کے قیام کا داعی تھا جس میں کوئی ایک شخص' کوئی ایک خاندان مسند پر نہ بیٹھے اور حکومت کے سیاہ و سفید کا مالک نہ بنے۔ اسلام کے نزدیک تو شخصی یا خاندانی حکومت کا بالکل کوئی جواز نہ تھا۔

اسلام کے نزدیک تو ہر اس شخص کو حکومت کرنے کا حق تھا جسے عوام آگے بڑھاتے اور انتخابات عامہ کے ذریعہ حکومت سونپتے۔ جس طرح انہوں نے پہلے جناب ابو بکر صدیقؓ پھر جناب عمر فاروقؓ اور جناب عثمانؓ اور آخر میں علی مرتضیٰؓ کو سونپ دی تھی۔

میں جناب امیر معاویہؓ کو سیاست دانوں کی صف اول میں شمار کرتا ہوں اور

1۔ ابن عساکر۔ ج۔ 18۔ ص۔ 32   2۔ المسعودی۔ ج۔ 2۔ ص۔ 241

www.taemeernews.com

ان کا بست مداح ہوں مگر اس بات سے کیا ہوتا ہے۔

اسلام تو بڑے سخت اصولوں کا مجموعہ ہے۔ یہ تو کانٹوں کی سیج ہے۔ اسلام تو فرد سے بڑی قربانیاں مانگتا ہے اور صرف ایسے فرد کو حکومت کا اہل جانتا ہے جو اپنی ذات کو عوامی وجود میں اس طرح ضم کر دے کہ اس کی انفرادیت اجتماعیت کی حریف نہ بن سکے۔

اسلام کے نزدیک تو مسلمان حاکم گڈریئے اور راعی کی مانند ہے اور ہادی اسلام علیہ التحیۃ والسلام فرماتے ہیں۔

تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت عملہ کا محاسب اور اس پر خدا کے ہاں جواب دہ ہے۔ حکومت و امارۃ اس شخص کے لئے اچھی ہے جس نے اسے استحقاق کی بنا پر حاصل کیا اور اس کے فرائض کو اچھی طرح بجالایا۔

لیکن یہ حکومت اس شخص کے لئے بری ہے جس نے اسے بغیر استحقاق کے قبضہ میں کر لیا اور مناصب حکومت کی بجا آوری نہ کی۔

یہ حکومت اس شخص کے لئے قیامت کے دن حسرت و ندامت کا سبب بنے گی جس شخص کو ہماری طرف سے حکومت و نیابت کا کام سونپا گیا تو اسے صرف اس بات کی اجازت ہے کہ اگر وہ شادی شدہ نہیں ہے تو عوامی خزانہ سے شادی کر سکتا ہے اگر اس کے پاس کام کاج کے لئے کوئی مدد گار نہیں ہے تو وہ یہ مدد گار رکھ سکتا ہے اس کے سوا اگر کسی حاکم نے ریاست کے خزانہ میں سے سونا چاندی یا اونٹ لے لئے تو وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور چور اور غاصب کے طور پر حاضر کیا جائے گا۔

یہ نئی ریاست جو عرب میں اُبھری اور جس نے شام و عراق و مصر اور دوسرے اکناف عالم کو اپنے پاؤں تلے بچھایا تھا اور جس کے لئے امیر معاویہ خلیفہ منتخب جناب علی مرتضیٰؓ سے بر سرپیکار تھے، کوئی موروثی ریاست نہ تھی۔ یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم، یہ ابو بکر صدیقؓ، یہ عمر فاروقؓ اور ان کے احکام کی پیروی کر کے اکناف عالم پر چھا جانے والی اسلامی سپاہ کی بہادری و شجاعت کے سبب قائم ہوئی تھی اور اس کے

www.taemeernews.com

تمام تر شرائط و فرائض وہی تھے جو حضورؐ اور حضورؐ کے جانشینوں نے مقرر کئے تھے اور ظاہر ہے کہ ان فرائض میں کمی بیشی کا کسی کو بھی کوئی حق نہ تھا۔

میرے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہ ' امیر معاویہؓ کے خلاف جنگ کرنے میں قطعاً حق بجانب تھے یوں یہ الگ بات ہے کہ امیر معاویہ اور جناب علی کرم اللہ وجہ کے مابین جو معرکہ آرائی ہوئی اس سے ملّت کے مجموعی مقاصد پر بڑا برا اثر پڑا تھا اور ملّت کا شیرازہ بری طرح بکھر گیا تھا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کا سانحہ فاجعہ بھی اسی لئے پیش آیا تھا کہ ان میں اور جناب امیر معاویہ میں جو لڑائیاں ہو رہی تھیں ان سے رائے عامہ سخت مشتعل ہو گئی تھی۔

میں جناب علی مرتضیٰؓ کی شہادت کے اسباب پر بحث نہیں کروں گا البتہ یہ ضرور عرض کروں گا کہ شہادت کے وقت جب لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہم آپ کے بعد آپ کے بیٹے حسنؓ کو آپ کا جانشین بنا دیں تو انہوں نے جو جواب دیا وہ خلافت کے لئے اسلام کے شرائط کے عین مطابق تھا انہوں نے لوگوں سے کہا۔

"میں اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا کہ خلیفہ کا انتخاب تمہارا حق ہے۔ تم جو مناسب جانو وہی کرو"۔

جناب علیؓ مرتضیٰ کا یہ طریق عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطابق تھا۔ حضورؐ نے بھی وصال کے وقت اپنے جانشین کے بارے میں مسلمانوں کو کوئی ہدایت نہیں دی تھی اور یہ کام ان کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ یہی جمہوری عمل تھا اور اسی جمہوری عمل کی ترویج کے لئے جناب علیؓ مرتضیٰ نے امیر معاویہ اور دوسروں سے محاذ آرائی کی تھی۔

یہ الگ بات ہے کہ کوفیوں نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسنؓ کے سوا کسی اور کو خلافت کا اہل نہ جانا اور انہوں نے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی اور اسی طرح اپنا جمہوری حق استعمال کیا۔

www.taemeernews.com

میرے نزدیک ہی نہیں جمہور مسلمانوں کے نزدیک حضرت حسنؓ خلیفہ منتخب تھے۔ خواہ ان کا یہ انتخاب اس وقت کی آدھی اسلامی دنیا نے کیا تھا اور شام و مصر اور ان کے ملحقات اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے تھے اور تاریخ دانوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ شام و مصر اور ان کے ملحقات نے اس لئے اس بیعت میں شرکت نہیں کی تھی کہ ان علاقوں میں جناب امیر معاویہؓ نے اپنی شخصی حکومت قائم کر رکھی تھی اور یوں اسلامی قلمرو دو حاکموں میں بٹ گئی تھی۔ ایک حاکم بزور تلوار اور بزور سیاست بر سر مسند آئے تھے اور دوسرے بذریعہ انتخاب عامہ اس منصب پر فائز ہوئے تھے۔

جناب امیر معاویہ اور جناب حسنؓ کے مابین حالات نے جو صورت اختیار کی میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا البتہ یہ اشارہ ضرور کروں گا کہ جناب امیر معاویہ کو جیسے ہی حضرت علیؓ کی شہادت اور امام حسنؓ کی مسند نشینی کی خبر ملی وہ اپنی فوجوں کو ہمراہ لے کر کوفہ کی طرف آئے تھے تاکہ امام حسنؓ اور ان کے متبعین کو للکاریں۔

ان میں اور جناب حسنؓ کی فوجوں میں جو معرکہ ہوا وہ تاریخ کا ویسا ہی الم ناک معرکہ ہے جیسے کہ جنگ صفین تھی۔ البتہ جنگ صفین اور اس معرکہ میں یہ فرق ضرور تھا کہ جنگ صفین میں جناب علیؓ کا پلہ بھاری تھا اور اس معرکہ میں جناب امیر معاویہ کو فتح نصیب ہوئی تھی اور نتیجہ یہ ہوا کہ جناب حسنؓ جناب امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوگئے اور حکومت انہیں سونپ دی۔

جب امام حسنؓ خلافت سے دست بردار ہوگئے تو اُمّت کے بعض برگزیدہ اشخاص نے بھی جو اس وقت تک بیعت سے انکاری تھے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح امیر معاویہ عالم اسلام کے حکمران ہوگئے۔ سیدنا امام حسنؓ کا یہ کارنامہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت روشن ورق ہے۔اس سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں سالوں سے جو نزاع چلا آتا تھا وہ ختم ہوگیا مسلمانوں کی وہ قوت جو ایک

www.taemeernews.com

دوسرے کے خلاف استعمال ہو کر تباہ ہو رہی تھی مزید تباہی سے بچ گئی منافقوں اور مسلم نما یہودیوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں جو دس سال سے نشو و نما پاتے ہوئے اب بہت مستحکم ہو چکی تھیں یکایک ختم ہو گئیں۔ مشرکین جو بڑے مزے سے مسلمانوں کی خانہ جنگیاں دیکھ رہے تھے ان کی امیدوں اور آرزوؤں پر اوس پڑ گئی۔ دس سال سے اسلامی فتوحات کا جو سلسلہ رک گیا تھا پھر چل نکلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی جو آپ نے امام حسنؓ کے حق میں فرمائی تھی کہ۔

"میرا یہ بیٹا سردار ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا"۔

جس اصول کو مدّ نظر رکھتے ہوئے سیدنا امام حسنؓ نے ایثار سے کام لیا تھا اس اصول کو امیر معاویہ بھی پیش نظر رکھتے تو یہ چیز امت کے لئے بہت خیر و برکت کا موجب ہوتی۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امیر معاویہ نے اس اصول کو پیش نظر نہ رکھا اور انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا جو تعلیمات رسولؐ اور خلفائے راشدین کے طریق کار کے خلاف تھا اس کے لئے انہوں نے وجہ جواز پیدا کی اور اپنے صوبائی حکام کو ہدایات ارسال کیں کہ وہ اپنے خطبوں میں عوام کو آگاہ کریں کہ امیر المومنین کے پاس اس مضمون کی درخواستیں اور عرضداشتیں پے درپے پہنچ رہی ہیں کہ وہ اپنے جانشین کا تقرر اپنی ہی زندگی میں کر دیں تاکہ جس طرح اس سے پہلے خلافت کے لئے مسلمانوں میں جھگڑے پیدا ہوتے رہے ہیں آئندہ نہ پیدا ہوں اور ان خانہ جنگیوں کا سدّباب ہو جائے جو اس سے پہلے ہوتی رہی ہیں لہٰذا امیر المومنین نے بڑے غور و خوض کے بعد اپنے بڑے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا۔ لیکن یہ ایک سیاسی حربہ تھا جو امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کرنے کے لئے استعمال کیا اس امر کے امکانات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سے لوگوں کی طرف سے اس مضمون کی گذارشات امیر معاویہ کے پاس پہنچی ہوں لیکن اس صورت میں امیر

www.taemeernews.com

معاویہ کی ذمہ داری اور بڑھ گئی تھی۔ انہیں خلفائے راشدین کا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے تھا وہ یا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرح ایسے شخص کو نامزد کرتے جو انکی دانست میں سیاسی بصیرت اور تقویٰ میں سب سے آگے ہوتا یا وہ حضرت عمرؓ کی طرح بہترین لوگوں کی ایک مختصری جماعت نامزد کر دیتے جن میں سب سے زیادہ موزوں اور مستحق شخصیت کو منتخب کر لیا جاتا اور اس جماعت میں اپنے بیٹے کو شامل نہ کرتے اور فاروق اعظم کی طرح خلافت کا عہدہ اس کے لئے ممنوع قرار دے دیتے لیکن اپنے بیٹے کو نامزد کرنا اس راستے سے واضح طور پر انحراف تھا جو شارع اسلام اور ان کے جانشینوں نے اختیار کیا تھا۔

امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر کے خلافت کو ملوکیّت بنا دیا' جبکہ اسلامی نظام حیات جمہوریت و مساوات انسانی کی بنیاد پر استوار ہوا تھا اس نظام میں پیدائش کے اعتبار سے کسی شخص کو فضیلت حاصل نہ تھی کہ خلیفہ کے گھر پیدا ہونے والا بلا استحاق خلیفہ بن جانے کا اہل سمجھا جاتا۔ پھر خود امیر معاویہ بھی جانتے تھے کہ کردار و اخلاق کے اعتبار سے ان کا بیٹا یزید ہر گز اس اعزاز کا مستحق نہ تھا کہ مسلمانوں کا حاکم اعلیٰ بن سکے اور اگر مروجہ طریق انتخاب پر عمل ہوتا تو اس کے خلیفہ بننے کا مطلق امکان نہ تھا۔ یزید کی جانشینی سے اسلامی معاشرہ میں جس المناک بدعت کا آغاز ہوا اس کے متعلق دور حاضر کے ایک عظیم المرتبت مصنف ڈاکٹر طہ حسین لکھتے ہیں کہ

> "اس طرح اسلام میں ایک ایسی بدعت جاری ہو گئی جس کو پہلے سے بہت برا خیال کیا گیا۔ یعنی حکمرانی کو موروثی بنا دینا۔ اس بدعت کا انجام مسلمانوں کے حق میں کیسے ہولناک وبال کی شکل میں نکلا اور بادشاہوں نے ولی عہدی کے لئے کیسے کیسے حرام حلال کام کیے۔ کتنی خون ریزیاں کیں' کتنے حقوق پامال کئے اور قوم کی کیسی

کیسی مصلحتوں کو خاک و خون میں ملا دیا اس وراثت کو
حاصل کرنے کے لئے بعض بزرگوں نے بعض شہزادوں
کے لئے انہی کے بھائیوں سے کیسی کیسی مکاریاں کیں،
مکرو فریب کے کیسے کیسے جال بچھائے۔ قرآن و
حدیث سے اس وراثت کا کہیں ثبوت نہیں۔ متقی
مسلمانوں کے معمولات میں کہیں اس کا پتہ نہیں"!¹

ڈاکٹر طٰہٰ کی طرح دوسرے بڑے مؤرخین اور نقاد بھی یہی کچھ کہتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی امیر معاویہؓ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور اس بیعت کا رشتہ ٹوٹا تو امام حسین علیہ السلام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور اس کی حکمرانی کو وہ للکار بہم پہنچائی جو کربلا کے حادثہ پر منتج ہوئی۔

یہ للکار علیؑ کی للکار تھی۔ یہ للکار حق و صداقت کی للکار تھی اور یہ فریضہ الٰہی تھا جس کی تکمیل حسین علیہ السلام نے کی تھی۔

---

1 البدایہ والنہایہ۔ ج ۸۔ خلافت معاویہ و یزید

www.taemeernews.com

امیر معاویہؓ کی سیاست اور یزید کا کردار

موجودہ دور میں جہاں جدت پسندی اور روایت شکنی کے زعم میں کچھ لوگوں نے علم و ادب کی دوسری اصناف میں دیرینہ اقدار کی شکست و ریخت کی ہے وہاں بعض محققین نے تاریخی واقعات اور حقائق پر بھی آزادی رائے کا حق استعمال کیا ہے۔ آزادی رائے کے شوق میں کچھ مسلمان اہل قلم نے یزید ابن معاویہ کی گمراہی اور بے راہ روی کی پردہ پوشی کرتے ہوئے اسے ایک قابل اور باتدبیر حاکم ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ حد یہ ہے کہ ایک صاحب نے تو اپنی ایک تصنیف میں یزید کی شخصیت کو بہت بلند اور ارفع بنا کر پیش کیا ہے اور پھر بعض سطح بین قسم کے حضرات نے اسے ایک شہرہء آفاق تصنیف بھی قرار دیا ہے۔ اسی موضوع پر بعض دیگر صاحبان نے مختلف جرائد میں مضامین بھی سپردِ قلم کئے ہیں مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں ان فاضل "جریدہ نگاروں" اور اہل قلم کی "بیش قیمت تحقیق اور آراء" سے متفق نہیں ہو سکتا۔ یہ حضرات محبانِ اہل بیت کو تشیع کا طعنہ دیتے ہیں مگر خود ان کی دُور بین نگاہوں سے یہ بات اوجھل ہو گئی ہے کہ اہل بیت اطہار سے "محبت" اگر شیعیت ہے تو ان سے "عداوت" کو اہل حق نے "خارجیت" بھی قرار دیا ہے۔ ان کی محبت میں غلو اگر جائز نہیں تو ان کی مخالفت بھی کہاں جائز ہے؟

جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں عرض کر چکے ہیں تاریخ اسلام کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ خلفائے راشدین نے خلیفہ کے انتخاب میں بڑی احتیاط و حد درجہ تقویٰ کا ثبوت دیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا وقت آخر آیا تو انہوں نے اپنے کسی عزیز کو نہیں، حضرت عمر فاروقؓ کو نامزد فرمایا اور لوگوں سے اس کی منظوری

www.taemeernews.com

لی تو صاف کہا کہ اے لوگو! میں نے تم پر اپنے کسی عزیز کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو تم سب میں اس کیلئے موزوں اور اہل ہے۔ حضرت عمرؓ کا انتقال ہونے لگا تو بعض لوگوں نے انہیں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو بطور خلیفہ نامزد کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ عبداللہؓ ابن عمرؓ علم دین اور تقویٰ میں جو مقام بلند رکھتے تھے۔ تاریخ اسلام اس کی شاہد عادل ہے مگر حضرت عمرؓ نے مشورہ دینے والوں کو ڈانٹ دیا اور کہا کہ بنی عدی میں سے صرف ایک آدمی ہی اس بار گراں کو اٹھانے کیلئے کافی تھا۔ حضرت عثمانؓ کو تو خیر اس سلسلے میں کسی وصیت کا موقع نہیں ملا۔ حضرت علیؓ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو ان سے کہنے والوں نے کہا "کیا ہم حسنؓ کو اپنا خلیفہ بنالیں۔" امام حسنؓ علم و تقویٰ کے اعتبار سے خلافت کے پورے اہل تھے مگر حضرت علیؓ نے اپنے پیش رووں کی پیروی کرتے ہوئے حد درجہ حکمت و احتیاط سے کام لیا۔ فرمایا کہ چاہو تو بنالو چاہو تو نہ بناؤ۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہتا کہ یہ تمہارا کام ہے، میرا نہیں۔

خلفائے راشدین کے اس طرز عمل پر غالی سے غالی دشمن بھی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ انہوں نے خلافت کو اپنے خاندان میں منتقل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن افسوس کہ حضرت امیر معاویہ اپنے تمام تر اوصاف حسنہ کے باوجود اس سلسلے میں لوگوں کیلئے موقع تہمت فراہم کر گئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنی زندگی ہی میں جانشین نامزد کر دیا اور اس کیلئے مختلف ذرائع و وسائل اختیار کر کے مسلمانوں سے بیعت لینے کی کوشش کی۔ بیٹا اہل اور مستحق خلافت ہوتا تب بھی تہمت سے بچنے اور احتیاط کا مظاہرہ کرنے کیلئے سلامتی اسی میں تھی کہ وہ اصحاب الرائے اور وقت کے اتقیاء و صلحا کو جمع کر کے ان سے خلیفہ مقرر کرنے کے سلسلے میں مشورہ لیتے! اگر یزید خلافت کا صحیح حق دار تھا تو یہ لوگ بھی اسی کا نام پیش کرتے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ کام بھی ہو جاتا اور حضرت معاویہ کا دامن بھی داغدار نہ ہوتا مگر یہاں صورتحال یہ سامنے آتی ہے کہ بیٹا سراسر نا اہل اور ناخلف ہے مگر اس کے باوجود حضرت معاویہ اسے نامزد

taemeernews.com

کرنے اور اس کیلئے بیعت لینے پر اصرار کرتے ہیں یہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ تو تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا طریقہ نہ تھا۔ خلافت اسلام میں عامتہ المسلمین کی امانت تھی' یہ ورثہ اور جائیداد بننے والی شے نہ تھی۔

www.taemeernews.com

خلافت کی ذمہ داری اور یزید

یزید اسلام کی رو سے نا اہل اور ناخلف تھا کہ نہیں؟ اس سوال کا جواب اسلام اور تاریخ اسلام سے واقفیت رکھنے والا ایک عام پڑھا لکھا آدمی بھی دے سکتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ کچھ اہل قلم نے یزید کی حمایت میں بھی قلم اٹھایا ہے ان "جلیل القدر محققین" نے حمایت یزید میں جس طرح تاریخی حقائق کا منہ چڑایا ہے اس کیلئے کم سے کم مجھ عاجز کی زبان سے داد و تحسین کے کلمات نہیں نکل سکتے۔ میں مانتا ہوں کہ یزید کو "برائیوں کی پوٹ" بنا دینے کیلئے بعض لوگوں نے طرح طرح کے عجیب و غریب قصے بھی تصنیف کئے۔ یہاں تک کہا گیا کہ وہ دلدالزنا تھا۔ اس نے اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کے نام پیغام نکاح بھیجا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جس طرح یہ انتہا پسندی صحیح نہیں.......... اسی طرح یہ جوش حمایت بھی قابل تعریف نہیں کہ جواب آں غزل کے طور پر یزید کو امیر المومنین حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنا دیا جائے اور صحابہ کرام کی جملہ نیکیاں اس کے نامہ ءاعمال میں درج کر دی جائیں۔ ناظرین کرام میں سے کچھ لوگوں نے محمود احمد عباسی کی کتاب میں ابن کثیر کے حوالے سے یہ روایت پڑھی ہوگی تو ان پر یزید کے ایمان و اسلام کا سکہ بیٹھ گیا ہوگا کہ:

> اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات علم و کرم ' فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی ان میں تھی"

مگر کاش کہ البدایہ والنہایہ میں ان سطروں کے فوراً بعد ابن کثیر کی درج شدہ یہ عبارت بھی ان کی نظر سے گزر سکتی کہ:

www.taemeernews.com

"اور اس کے ساتھ اس پر شہوت کا سخت غلبہ رہتا تھا نیز بعض اوقات نمازیں بھی ترک کر دیتا تھا۔[1]"

عصر جدید کے اس "محقق" نے اپنی آراء میں وزن پیدا کرنے کیلئے شاہ ولی اللہ، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن خلدون کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ یزید کی صلاحیت و صالحیت ثابت کرنے کیلئے بھی انہی اکابر اُمّت کی طرف رجوع کرتے۔ "خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف مؤرخین میں ابن خلدون کے سب سے زیادہ مداح و معترف ہیں۔ ان کے نزدیک علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مؤرخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے لتھیڑ ڈالا۔[2]

لیکن ان کے یہی ممدوح ابن خلدون اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

"جہاں تک امام حسینؓ کے واقعہ کا تعلق ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ جب عوام پر یزید کا فسق و فجور ثابت ہو گیا تو اہل بیت سے محبت رکھنے والوں نے انہیں کوفہ تشریف لانے کی دعوت دی۔[3]"

علامہ ابن خلدون کے بعد دوسرے نمبر پر صاحب "خلافت معاویہ و یزید" امام ابن تیمیہ کے قائل ہیں وہ ان کے افکار کو اپنی تائید میں بڑی شدومد سے پیش کرتے ہیں۔ یہی امام ابن تیمیہ رقم طراز ہیں کہ:

جاہل کہتے ہیں یزید اُمت کے صالحین میں سے تھا اور امام عادل تھا حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔[4]

تیسرا مرتبہ عباسی صاحب کے نزدیک حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا ہے۔ ان کی

---

1 ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد 8۔ ص 23 — 2۔ خلافت معاویہ و یزید۔ ص۔ 17

3 مقدمہ ابن خلدون۔ ص۔ 180 — 4۔ الوصیت الکبریٰ ص۔ 301

www.taemeernews.com

کتابوں سے بعض غلط سلط حوالے وہ بڑے دعوے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔یہی شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی مشہور کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

"قرونِ فاضلہ بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں تھا جنہیں شرع کے اعتبار سے منافق اور فاسق و فاجر کہتے ہیں مثلاً حجاج' یزید ابن معاویہ' مختار اور قریش کے چند چھوکرے جنھوں نے مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالا![1] "

اگر کوئی حقیقت پسند شخص یزید کو فاسق و فاجر لکھ دیتا ہے تو عباسی صاحب کی تحریروں سے متاثر ہونے والے لوگ خفگی ظاہر کرتے ہیں' لیکن دیکھنا چاہئے کہ علامہ ابنِ خلدون' امام ابنِ تیمیہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے خلاف ایسے لوگ کیا بر ہمی دکھاتے ہیں۔

---

1 - حجتہ اللہ ج - 2 - ص 198

www.ziaemeernews.com

یزید کا فسق و فجور

یزید کے فسق و فجور کے ردّ (یا جواز؟) میں ہمارے کچھ "بزرگ" صحافیوں اور "جلیل القدر" اہل علم کو لے دے کر جو دلیل یاد آتی ہے وہ بخاری کی ایک حدیث ہے جس میں حضورؐ نے مومنین کے اس اوّلین لشکر کو جو قسطنطنیہ پر چڑھائی کرے گا' جنت کی بشارت دی ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس اولین لشکر کا سپہ سالار یزید تھا اس لئے اس کی مغفرت کا مسئلہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے۔ اس کے بعد اس کے مستحق جنت ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے؟

میں یزید کے سپہ سالار ہونے کی روایت پر تو ابھی آگے چل کر کلام کروں گا یہاں اسے تھوڑی دیر کیلئے تسلیم کرتے ہوئے پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ کیا اس حدیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگرچہ اس لشکر میں شریک لوگ قسطنطنیہ سے واپس لوٹنے کے بعد اہل ایمان کے خون سے ہولی ہی کیوں نہ کھیلیں تب بھی ان کی نجات ہو کر رہے گی؟ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

"ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔"

وہ کون سا شارح حدیث ہے جس نے یہ کہا ہو کہ عمر بھر ماں کی خدمت کرنے والا جنت کا مستحق ہے خواہ آخر میں جا کر وہ اپنے باپ ہی کو کیوں نہ قتل کر دے؟ اس طرح کے اچھے اعمال و افعال پر استحقاق جنت واجب' لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے بعد کی زندگی میں آدمی کسی ایسی برائی میں ملوّث نہ ہو جس کا انجام آتشِ دوزخ ہے۔ یزید اگر سپہ سالار بننے کے بعد جنت کا مستحق ہو گیا تھا تو حیف صد حیف کہ اس نعمت عظمیٰ کے پانے کے بعد بھی معصیت کے وہ چھینٹے پڑ گئے کہ جنھیں آب زمزم

سے بھی صاف نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن........... اس سے بھی آگے بڑھ کر میں تو یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ یزید کی سپہ سالاری کا قصہ ہی محض زیب داستاں کیلئے ہے! جن محققین نے اس کی تراش خراش اور اس کی نوک پلک سنوارنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے' بنوامیہ کی بارگاہ معدلت پناہ میں تو وہ ضرور سونے سے تل گئے ہوں گے لیکن افسوس کہ تاریخ ان کے اس جھوٹ کو زیادہ دیر تک اپنے سینے میں محفوظ نہ رکھ سکی کچھ بے باک تاریخ نگار ایسے بھی تھے جنھوں نے بڑی بے دردی سے اس جھوٹ کے پردے چاک کر دیئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اس لشکر کے سپہ سالار یزید ابن معاویہ نہیں' سفیان ابن عوف تھے۔ یزید کا سپہ سالار لشکر ہونا تو ایک طرف رہا وہ لشکر ہی میں شامل نہ تھا اور عین اس وقت جبکہ مجاہدین میدان جہاد میں داد شجاعت دے رہے تھے وہ اپنے محلات میں بیٹھا اپنی محبوبہ کی شان میں قصیدے لکھ رہا تھا۔ لیجئے:

پڑی ہی وہ گر گیا کبوتر کا
جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا

ہو سکتا ہے کہ میری ان کھری کھری باتوں سے کچھ محققین یا ان کے معتقدین ناراض ہو جائیں لیکن ان کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ یہ بیان میرا نہیں' ان محققین کرام کے محبوب مؤرخ علامہ ابنِ خلدون کا ہے۔ حضرت علّامہ لکھتے ہیں:

> 50ھ میں امیر معاویہ نے سفیان ابن عوف کی قیادت میں ایک لشکر جرار روم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو بھی اس لشکر میں شامل ہونے کی ہدایت کی مگر اس نے اس لشکر میں شرکت کرنا پسند نہ کیا اور معذرت کر دی' چنانچہ امیر معاویہ نے اس کی معذرت قبول کر لی۔ اتفاق کی بات کہ اس جہاد میں مجاہدین نے بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ رسد کی کمی اور امراض کی کثرت سے بڑی جانیں ضائع ہوئیں جب یزید کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس کی زبان پر بے ساختہ یہ اشعار

shiapernews.com

جاری ہو گئے۔

"میں اس کی قطعاً پروا نہیں کرتا کہ ان کی فوجوں
کو فرقدونہ میں مصائب اور بدبختی سے دوچار ہونا پڑا۔
میں نے تو بلند ہو کر رنگ رنگ کے تکیے لگائے اور "دیہ
مران" میں ام کلثوم میرے پہلو میں تھی۔"

1 تاریخ ابن خلدون۔ 3۔ ص۔ 9۔ 10

www.ta...

حضرت امام حسینؓ کا موقف

یزید جیسے آدمی کی نامزدگی کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے تین راستے تھے ایک یہ کہ آپ اس بدعت کو تسلیم کرتے ہوئے بیعت کر لیں۔ دوسرے یہ کہ اعلان واظہار حق کیلئے بیعت بھی نہ کریں اور حمایت یزید سے بھی علیحدہ رہیں اور تیسرے یہ کہ ایک منظم جدوجہد کے ذریعے یزیدی حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ آپ نے اپنی خداداد فراست سے کام لیتے ہوئے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ پہلی بات آپ کے مرتبہ ومقام کے شایان شان نہ تھی۔ یہ صاحب عزیمت بھی اگر جبر واستبداد کے آگے ہتھیار ڈال کر عافیت کے دامن میں پناہ لے لیتا تو اُمت کیلئے قربانی وایثار کی ایک غیر فانی داستان کیسے مرتّب ہوتی۔ تیسرا راستہ امن عامہ اور مصالح اُمّت کے خلاف تھا۔ آپ ملت اسلامیہ میں فساد اور خون ریزی کی بنیاد نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد ایک ہی راستہ باقی تھا اور وہ یہ کہ جابر سلطان کے خلاف کلمہء حق کہیں اور اس کی حمایت سے بالکل یہ دست کش رہیں اعلان و اظہار حق کی پاداش میں جن مصیبتوں اور تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑے' خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کریں۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے کامل آئین پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس درمیانی راستے کو اختیار کیا اور یہ وہ تدبیر تھی جو خروج وبغاوت سے کہیں بڑھ کر یزیدی حکومت کو تباہ وبرباد کرنے میں کامیاب ثابت ہوئی۔

www.qaemeernews.com

امام حسینؓ سے بیعت طلبی پر اصرار

حضرت امیر معاویہ جب تک زندہ رہے انہوں نے بیعت یزید کے لئے حضرت امام حسینؓ پر کوئی جبر نہیں کیا۔ دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے بیٹے کو حسینؓ کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کی وصیت کر گئے مگر جونہی انہیں لحد میں اتارا جاچکا' حضرت حسینؓ سے بیعت لینے کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں۔ یزید دانشمند ہوتا تو وہ آئین پسند حسینؓ سے بیعت لئے بغیر بھی حکومت کر سکتا تھا۔ آخر اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ بھی تو یہ نمونہ پیش کر چکے تھے کہ جن لوگوں نے ان کے عہد خلافت میں ان کی بیعت نہیں کی اور ان کے خلاف صف آرا بھی نہیں ہوئے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اور ان سے زبردستی بیعت لینے کی کوشش نہیں کی۔ ادھر حضرت امیر معاویہ کا انتقال ہوا اور ادھر یزید نے حاکم مدینہ کے نام حسینؓ سے بیعت لینے کا فرمان جاری کر دیا۔ ولید (حاکم مدینہ) نے حضرت حسینؓ کو طلب کر کے بیعت کا مطالبہ کیا تو حسینؓ نے وہی جواب دیا جو ان سے متوقع تھا۔ کہا کہ "مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کر سکتا"۔

حضرت معاویہ کے انتقال کے بعد نئی حکومت ابھی پوری طرح قائم نہیں ہوئی تھی۔ حاکم مدینہ کے پاس نہ کوئی لشکر تھا نہ دوسرے ذرائع و وسائل۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت حسینؓ اس کے دفتر میں یہ جملہ کہہ کر آ گئے اور وہ یزید کی واضح ہدایات کے باوجود کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں ان کے ساتھ سختی کی جائے۔ حضرت حسینؓ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ آپ کا ارادہ خروج و بغاوت کا ہوتا تو اس کیلئے یہ سنہری موقع تھا۔ اہل مدینہ آپ کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ انہیں ساتھ ملا کر آپ آسانی سے مدینہ

www.taemeer.net

پر قبضہ جما سکتے تھے مگر ہوا کیا ہے۔ آپ مدینہ چھوڑ دیتے ہیں مکّہ پہنچتے ہیں کہ جو مامن الناس کہلاتا ہے جہاں اللہ کا وہ گھر موجود ہے جس میں مجرم پناہ لے تو (فقہ حنفی کی رو سے) آج بھی اسے گرفتار نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ ایسے حالات نہ پیدا ہو جائیں کہ وہ خود تنگ آکر بیت اللہ سے باہر آجائے اور مکہ کا یہ سفر بھی آپ کس لئے اختیار کرتے ہیں کوئی فوج جمع کرنے کیلئے؟ یزید کے خلاف کسی جلسہ عام میں تقریر کرنے کیلئے؟ نہیں، صرف اس لے کہ باطل کی حمایت کیلئے انہیں جس بری طرح مجبور کیا جا رہا ہے اس سے اپنے آپ کو بچا سکیں، سلامت رکھ سکیں، امن و دوستی کا ثبوت بھی فراہم کر دیں اور حمایت باطل سے بھی بالکل یہ دست کش رہیں۔ ہمارے اس دعوے کا ثبوت آپ کے بھائی حضرت محمد ابن حنفیہ کا وہ مشورہ ہے جو انہوں نے حاکم مدینہ کے ارادے ظاہر ہونے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا

> "زمانہ نازک ہے امن وامان کہیں بھی نہیں۔ آپ مکّہ چلے جائیں اور اگر وہاں بھی یہ لوگ آپ کو آرام سے نہ بیٹھنے دیں تو آپ صحراؤں اور پہاڑوں کی راہ لیں اور جب تک ملک کی قسمت کا فیصلہ نہ ہو جائے اسی طرح جگہ جگہ منتقل ہوتے رہیں![1]"

---

1 - ابن اثیر۔ ج۔ 4۔ ص۔ 8

www.taemeernews.com

اہل کوفہ کی طرف سے عرضداشتیں

آپ مکہ پہنچتے ہیں مگر تاریخ کا کوئی طالبعلم کسی معمولی مؤرخ کے حوالے سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے وہاں کوئی شورش پیدا کی، یزید کی حکومت کیخلاف کوئی سازش کی، اسلحہ جمع کیا یا لشکر ترتیب دیا۔ آپ وہاں امن وعافیت سے خلوت گزیں رہے۔ یہاں تک کہ اہل کوفہ کے لامتناعی نامہ وپیام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اہل کوفہ نے اتنے خطوط لکھے کہ ان سے پوری دو خورجینیں بھر گئیں۔ قاصد بھیجے۔ اجتماعی دستخطوں سے عرضداشتیں روانہ کیں جن کا مضمون یہ تھا:

> "ہمارا کوئی امام نہیں، نعمان ابن بشیر (حاکم کوفہ) کے ساتھ ہم نماز نہیں پڑھتے۔ جمعہ و جماعت میں ہم شریک نہیں ہوتے۔ اگر آپ تشریف لے آئیں تو شاید حق پر ہم جمع ہو جائیں۔ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لاتے ہیں تو نعمان ابن بشیر کو نکال باہر کریں اور اسے شام جانے پر مجبور کر دیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے تو اس خیال سے خاموش رہے کہ ان کے اقدام کو حکومت غلط رنگ نہ دینے لگے، لیکن جب خطوط کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ قاصد آئے اور کوفہ کے انتشار انگیز حالات آپکے سامنے پیش کئے تو آپ مصلح کی حیثیت سے ملت کا افتراق وانتشار دور کرنے کیلئے کسی مناسب صورت عمل کے تعین کیلئے غور وخوض کرنے لگے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تحقیق حال کا مرحلہ تھا۔ آپ نے اس مقصد کیلئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا کہ وہاں جا کر اصل صورت حال سے مطلع کریں۔ اس موقع پر حضرت حسینؓ نے اہل کوفہ کے

www.taemeer.com

نام مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ جو خط روانہ کیا عام طور پر مؤرخین نے اس کی اہمیت و معنویت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس خط میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ آرہے ہیں۔ تم انکی قیادت میں نعمان ابن بشیر کو نکال باہر کر دیا نعمان ابن بشیر کے پیچھے جو تم نماز نہیں پڑھ رہے ہو بہت اچھا کر رہے ہو۔ وہ ایک "امام" کے طلبگار تھے اور اس ضمن میں بھی صاف صاف اپنے خط میں لکھ دیا کہ:

« الامام هوالعامل بالكتاب والقائم بالقسط والداعي بدين الحق »

گویا دوسرے لفظوں میں اہل کوفہ کی یہ غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کی کہ امام و مصلح کیلئے تاج و تخت بھی ضروری ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ امام کی صفات تو یہ ہیں کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے، حق پر قائم رہے اور لوگوں کو حق کی طرف دعوت دے۔ اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ سریر آرائے حکومت بھی ہو اور اس کے ہاتھ میں قانون کی طاقت بھی ضرور ہو۔ مجھے تمہاری طرف سے دعوت امامت مل رہی ہے۔ میں اسے قبول کرنے کیلئے حاضر ہوں مگر اس کیلئے تم نے یہ تصور قائم کر رکھا ہے کہ کوفہ کے حاکم کو نکال باہر کر دو اور عنان اقتدار میرے حوالے کر دو، اس کی چنداں ضرورت نہیں۔

www.taemeernews.com

حضرت امام حسینؓ کیلئے بیعت

حضرت مسلمؒ کوفہ پہنچتے ہیں تو ایک غریب الدیار مسافر اور اجنبی کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی استقبال نہیں ہوتا۔ کوئی جلوس نہیں نکلتا۔ طالبان امامت کا ایک اجلاس منعقد ہوتا ہے۔ حضرت مسلم کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کیلئے اٹھارہ ہزار اور بعض روایات کے مطابق تیس ہزار کوفی بیعت کرتے ہیں۔ اتنی جمعیت نعمان ابن بشیر سے حکومت چھیننے کیلئے کافی سے زائد تھی۔ حضرت مسلمؒ کا ارادہ اقتدار حاصل کرنے کا ہوتا تو وہ آسانی سے کوفہ پر قبضہ کر سکتے تھے مگر ان کی طرف سے اس طرح کی کوئی کوشش سامنے نہیں آئی وہ اتنے امن پسند تھے کہ خود نعمان ابن بشیران کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرنے والوں کو یہ جواب دے رہے ہیں کہ:

«لا اقاتل الامن قاتلنی ولا اشب الا علی من وشب علی ولا اخذ بالفرقة والظنة فمن ابدی صفحته نکث بیعته اضربه ضربة بسیفی ماثبت قبضــته فی یدی ولو لم ا کن الا وحدی»

مطلب یہ تھا کہ میں تو اس شخص سے لڑائی کرنے کو تیار ہوں جو مجھ سے لڑائی کرے۔ اس پر حملہ کر سکتا ہوں جو مجھ پر حملہ کرے اور میں بدگمانی اور سوء ظن کے خیالات پر عامل نہیں ہوا کرتا۔ ہاں جو شخص بغاوت پر آمادہ ہو تو اس تلوار سے اس پر ضرب لگاؤں گا جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہے۔ خواہ میں تنہا ہی کیوں نہ رہ جاؤں۔ بعض لوگوں نے بیعت لینے کو حضرت حسینؓ کی اقتدار طلبی کا ثبوت سمجھا ہے۔

غالباً ان محترم بزرگوں کی نظر سے یہ بات اوجھل ہو گئی کہ بیعت صرف حکومت ہی کیلئے نہیں لی جاتی۔ عرب میں تو یہ قاعدہ تھا کہ خرید و فروخت کرتے وقت کسی بات پر معاہدہ طے ہوجاتا تو ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ معاہدہ طے ہو گیا اور اب اس کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔ یہی وجہ تھی کہ آہستہ آہستہ بیعت کا لفظ ہی بیع کیلئے بطور صفت استعمال ہونے لگا

خرید و فروخت کے علاوہ مرشد بھی اپنے مریدوں سے بیعت لیتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ مرید اپنے مرشد کو ملک کا حاکم بنا رہا ہے۔ حضرت مسلمؓ کے ہاتھ پر کوفیوں کی بیعت اس دوسرے معنی میں تھی۔ وہ حضرت مسلمؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر یہ عہد کر رہے تھے کہ ہم عامل بالکتاب امام حسینؓ کی تعلیمات پر ہر طرح عمل کرنے کو تیار ہیں اور ہماری الاح کیلئے وہ جو تدابیر بھی اختیار کریں ہم انہیں دل و جان سے قبول کریں گے۔

وہ لوگ جو امام حسینؓ کے کوفہ جانے اور حضرت مسلمؓ کو بطور نمائندہ وہاں بھیجنے کو کوفہ پر قبضہ جمانے کے عزائم سے تعبیر کرتے ہیں ' وہ بھول جاتے ہیں کہ اس کوفہ کی حکومت کو حضرت معاویہ کے زمانے میں اہل بیت اطہار خود پائے استحقاق سے ٹھکرا چکے تھے کیونکہ اس کیلئے انہیں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی و خون ریزی گوارہ نہیں تھی۔ حضرت حسنؓ نے صلح و امن کی فضا پیدا کرنے کیلئے عراق کی حکومت قربان کر دی اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت حسینؓ ان کے اس فیصلے پر شرح صدر کے ساتھ صاد کر چکے تھے۔ دس سال وہ حضرت امام حسنؓ کے ساتھ رہے اور اس صلح کا انہوں نے پورا پورا احترام کیا اور دس سال حضرت امام حسنؓ کے بعد حضرت معاویہ کے عہد میں رہے اور ان سے کوئی امن شکن حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ اب یہ کیسے مان لیا جائے کہ بیس سال قبل حسنؓ نے عراق کی جس حکومت کو خود چھوڑ دیا تھا اب حسینؓ بیس سال بعد خود اسے زیر نگیں لانے کی اسکیمیں سوچنے لگے تھے۔ اگر اس موقع پر کوفہ امام حسینؓ کو مل بھی جاتا تو نتیجہ کیا نکلتا ' یہی کہ شام یزید کے پاس رہتا '

www.taemeernews.com

کوفہ حسینؓ کے پاس اور پھر غیر محدود مدت تک ان دونوں علاقوں میں باہم آویزش ہوا کرتی اور مسلمانوں کا خون بہتا رہتا۔ عقل نہیں مانتی کہ جس مصلحت کا خون کرنے کیلئے وہ خود اس کے طلب گار بن جائیں۔ یہ حضرت امام حسینؓ پر سراسر تہام ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ بیعت نہ کرنے کا اعلان کر کے تو انہوں نے اُمت پر آزادی اظہار رائے کی اہمیت ظاہر کی تھی اور کوفہ والوں سے بیعت لے کر ہمیں آزادیٔ اجتماع و تنظیم کا سبق دیا تھا جمہوریت کے جو حقوق اہل مغرب کو جو آج معلوم ہوئے ہیں امام حسینؓ نے اپنے عمل سے وہ سینکڑوں سال قبل آشکار کر دیئے۔

www.taemeernews.com

کوفہ کی طرف امام حسینؓ کی روانگی

حضرت مسلمؓ کا خط موصول ہونے پر حضرت امام حسینؓ کوفہ سے روانہ ہوتے ہیں' خط میں اطلاع دی جاچکی تھی کہ آپ کے ہزاروں شیدائیوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ آپ کا ارادہ ان بیعت کنندگان کی مدد سے حکومت کا تختہ الٹنے کا ہوتا تو مدینے میں بھی آپ اس کا اظہار ضرور کرتے تاکہ یہاں بھی آپ کے پرچم تلے ایک اچھی خاصی تعداد جمع ہوتی لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ اس طرح کی کوئی بات نہیں کرتے' نہ لشکر جمع کرتے ہیں نہ اسلحہ جنگ' چپکے سے کوفہ سدھارتے ہیں اور اپنے امن دوست عزائم ظاہر کرنے کیلئے مزید احتیاط یہ کرتے ہیں کہ اس سفر میں اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں تاکہ شبہ کرنے والوں کیلئے شبہ کرنے کی کوئی وجہ جواز باقی نہ رہے۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا ؎

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچنیں ساماں سفر

اثنائے راہ میں ہیں کہ حضرت مسلم کی شہادت کی خبر ملتی ہے۔ جنگ کا ارادہ ہوتا تو آپ یہ خبر اپنے ساتھیوں سے چھپالیتے کہ جنگی حکمت عملی کے نقطہء نظر سے اس طرح ان کا مورال متاثر ہوتا مگر آپ تو کھلے کھلے لفظوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ مصیبت و آزمائش کی اس گھڑی میں جو ان سے علیحدہ ہونا چاہے علیحدہ ہو جائے۔ مصیبت و آزمائش تو فقط ان کے تعاقب میں ہے۔ کوفے کی طرف آپ بڑھتے ہیں۔ کوفیوں کی طرف سے دھوکے اور فریب کا مظاہرہ ہونے کے باوجود مقصود صرف تبلیغ حق تھا اور یہ فریضہ ان کے بیعت توڑنے کے بعد بھی ادا ہو سکتا تھا کہ دور سے حر کا لشکر نظر پڑا۔ آپ نے راستہ بدل دیا اور داہنی

www.Ameernews.com

طرف زرحسم نامی پہاڑ کے دامن میں جا کر خیمے گاڑ دیئے۔ یہ آپ کی امن پسندی کا ایک اور درخشاں ثبوت تھا۔ نماز ظہر کے وقت آپ نے لشکریان حر کے سامنے تقریر کی۔

فرمایا کہ:

«انی لم انکم حتی انتنی کتبکم و قدمت علی رسلکم ان اقدم علینا فانه لیس علینا امام لعل اللّٰه ان یجمعنا بک علی هدی فان کنتم علی ذالک فقد جئتکم فان اطعتم ما اطمن الیه من عورکم مواثیقکم اقدم مصرکم وان لم تفعلو و کنتم لمقامی کارهین انصرفت عنکم الی المکان الذی اقبلت منه الیکم[1]»

"میں اس وقت تک تمہاری طرف نہیں آیا جب تک تمہارے خطوط اور قاصد میرے پاس نہیں پہنچ گئے کہ ہم امام کے بغیر ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ہمیں حق پر جمع کر دے۔ اگر اب تم اس مؤقف پر قائم ہو تو مجھ سے عہد کرو۔ تب میں تمہارے شہر جانے کو تیار ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو اور میری آمد پر ناخوش ہو تو میں اسی طرف لوٹ جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں۔"

حُر جواب دیتا ہے کہ:

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو گھیر کر ابن زیاد کے پاس لے چلوں۔"

آپ اس ذلت کیلئے تیار نہیں ہوتے' کوفہ وہ جانے نہیں دیتا' مدینہ جانے پر وہ راضی نہیں۔ آپ بیچ کی راہ نکال لیتے ہیں جو نہ کوفہ کو جاتی ہے نہ مدینہ کو۔ حُر

1 ابن اثیر ج 4 ص 534

www.taemeer.com

رضامند ہو جاتا ہے۔ حسینؓ قافلہ روانہ ہوتا ہے مگر کوئی منزل سامنے نہیں۔ ریت کے ذرّے بھی شاید اس وقت سر اٹھا اٹھا کر نواسہء رسولؐ سے پوچھتے ہوں گے کہ:

منزل ہے کہاں تیری اے لالہء صحرائی

چلتے چلتے ایک قاصد نظر پڑتا ہے یہ ابن زیاد کا قاصد تھا وہ پیغام لے کر آیا تھا کہ انہیں ایک بے آب و گیاہ علاقہ میں اترنے پر مجبور کر دو۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمیں نینوا میں اتر لینے دو یا غاضریہ اور شفیہ میں۔ مگر حُر قاصد کی موجودگی میں سختی کرنے پر مجبور ہے۔ آپ کے ساتھی جوش میں آ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں یا ابن رسولؐ اللہ یہ لوگ کم ہیں ہمیں ان سے دو دو ہاتھ کر لینے دیجئے۔ بعد میں جو فوجیں آنے کو ہیں ان سے نپٹنا آسان ہو گا مگر آپ فرماتے ہیں۔ «ما کنت لا بدا ھم بالقتال» میں جنگ میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔

www.taemeernews.com

یزیدی افواج کی آمد

اب عمرو بن سعد کی قیادت میں فوجوں کی آمد شروع ہوتی ہے۔ وادی سواروں اور پیادوں سے بھر جاتی ہے۔ دشمن آپ کو بے دست و پا بنا کر گرفتار کرنے یا بصورت دیگر آپ کی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں مگر یہاں بھی امام حسینؓ مصالحت اور امن پسندی کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ عمرو بن سعد کو گفتگو کی دعوت دیتے ہیں اور گفتگو میں یہ شرطیں پیش کرتے ہیں:

1 - میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس لوٹ جانے دو۔

2 - مجھے سرحدوں پر چلے جانے دو کہ وہاں کفّار سے جہاد کرتا رہوں۔

3 - یا پھر مجھے یزید کے پاس لے چلو' میں اپنا معاملہ خود اس سے طے کر لوں گا۔

حافظ ذہبی' علّامہ ابنِ حجر اور بعض دوسرے جلیل القدر مؤرخین نے اس تیسری شرط سے اختلاف کیا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ شرط صحیح بھی ہو تب بھی اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضرت امام خود یزید کے پاس جا کر کلمہء حق کہنا چاہتے تھے۔ مقصد اس شرط کا ہرگز ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ یزید کی بیعت پر آمادہ ہو چکے تھے۔

ان شرطوں سے پیش ہونے پر عمرو بن سعد کس طرح خوش ہوا اور اس کے بعد شمر ذی الجوشن نے بنا بنایا کام کس طرح بگاڑ دیا' یہ تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ہم تو صرف حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے الزامات کی گندگی دھونا اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدم قدم پر کس آئین دوستی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

www.taemeernews.com

اتمام حُجّت

جنگ کی صبح آپ پھر اتمام حُجّت کی آخری کوشش فرماتے ہیں۔ گھوڑے کی بجائے ناقہ پر سوار ہو کر (کہ گھوڑا جنگ کی اور ناقہ امن کی علامت ہے) میدان میں تشریف لاتے ہیں، کہتے ہیں کہ:

ایھا الناس اسمعوا قولی ولا تعجلونی حتی اعظمک بالحق لکم علیّ۔

"اے لوگو! میری بات سنو اور جلدی نہ کرو۔ یہاں تک کہ میں تمہیں نصیحت کر لوں اس حق کے مطابق جو تمہارا مجھ پر ہے۔"

پھر آپ ان کے سامنے اپنا حسب و نسب پیش کرتے ہیں۔ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دہراتے ہیں، ان کے خطوط کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان سے سوال کرتے ہیں کہ:

مجھے مطلع تو کرو میرے قتل کے درپے کیوں ہوں؟ کیا مجھ سے کسی مقتول کا بدلہ چاہتے ہو یا اپنے کسی مال کا جو میں نے ضائع کر دیا ہے یا اپنے کسی زخم کا قصاص مانگتے ہو؟

ان باتوں کا جواب کون دیتا۔ سپاہ یزید کا ایک آدمی پکار کر کہتا ہے:

"آپ یزید کی بیعت کیوں نہیں کرتے؟

اس سے پہلے سوال قانون و آئین اور رواداری و صلح پسندی کا تھا تو حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابریشم کی طرح نرم تھے۔ اب بات حمایتِ باطل کی شروع ہوئی تو فولاد بن گئے۔ اللہ اکبر۔ کس ولولہ انگیز انداز میں جواب دیا:

taemeernews.com

لا واللّٰہ لا اعطیھم بیدی عطاالذلیل ولا اقرقرارا

بعبودیۃ عباداللہ انی عذت بربی و ربکم ان ترجعون اعوذ

بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب۔

خدا کی قسم یہ نہیں ہوگا کہ میں اپنے آپ کو ذلت کے ساتھ ان

کے حوالے کر دوں اور بندوں کی بندگی کا اقرار کر لوں۔ میں اللہ سے

پناہ مانگتا ہوں ہر اس متکبّر سے جو یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا۔

اتمام حجّت کی تمام کوششیں بے کار گئیں۔ امن و مصلحت کے پیغامات کا جواب تیر اور تلوار سے دیا جانے لگا۔ اس جرم میں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نامزد شدہ فاسق و فاجر نام نہاد خلیفہ کے آگے سر اطاعت خم کیوں نہیں کرتے۔ ان پر عرصہء حیات تنگ کر دیا گیا۔ ظلم و تشدّد کا کون سا حربہ تھا جو نہیں آزمایا گیا۔ مگر زمانہ دیکھ رہا تھا کہ وہی حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کل تک فساد اور خونریزی سے بچنے کیلئے ہر ممکن تدابیر اختیار کر رہا تھا حمایتِ باطل کے الزام سے بچنے کیلئے آج خون میں نہا رہا تھا' اس کی زبان پر یہ شعر جاری تھا:

سا مضی وما بالموت عار علی الفتی

اذا ما نرا حقا وجاهد مسلما

میں جاؤں گا اور ضرور جاؤں گا۔ جوان مرد کیلئے موت عار نہیں

جبکہ وہ حق پر قائم ہو اور اسلام کیلئے جہاد کرے۔

یہ تھا واقعہء کربلا کا ایک اجمالی خاکہ۔ اسے دیکھ کر آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغی تھے یا مصلح۔ طلب اقتدار کیلئے کوشاں تھے یا داعی الی الحق۔ جن اہل قلم نے ان کے خلاف لکھا ہے وہ تاریخ کے چہرے پر کالک ملنا چاہتے ہیں تو شوق سے ملیں۔ حقائق کو مسخ کرنا چاہتے ہیں تو شوق سے یہ مسئلہ جاری رکھیں۔ قرطاس و قلم کی محفلیں بجتی ہی تب ہیں جب ایک نہ ایک ہنگامہ خیز موضوع پیش نظر ہو۔ ہم تو سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ جمہور اہل سنت کے عقائد

www.taemeer...

ونظریات کو برحق مانتے ہیں۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمارے نزدیک تو حمایت باطل سے علیحدگی اختیار کرکے آزادیء اظہار رائے اور آزادی اجتماع و تنظیم کے سبق دے کر، حق بات پر سر کٹا کر ایثار و محبت کی راہ میں روشنی کا ایک مینار قائم کر دیا۔ کوئی اس روشنی کو روشنی ماننے کیلئے تیار نہیں تو اپنی بصیرت و بصارت کی خیر منائے۔

www.taemeernews.com

حسینؓ.......ایک مظلوم ترین شخصیت

ملّتِ اسلامیہ نے جو عظیم شخصیات پیدا کی ہیں ان میں ایک حضرت حسینؓ بھی ہیں لیکن حسینؓ عظیم شخصیت ہی نہیں دوسری بے شمار شخصیات کی طرح مظلوم بھی ہیں بشاید مظلوم ترین شخصیت لیکن یہ مظلومی محض اس لئے نہیں کہ انہیں 'ان کے جگر گوشوں'ان کے عزیز واقارب اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں کو کربلا کے میدان میں بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔ بلاشبہ یہ سانحہ اپنی دردانگیز تفصیلات کے ساتھ تاریخ انسانیت کا دردناک ترین المیہ ہے۔حسینؓ خود جتنے عظیم تھے 'اتنی ہی ان کی داستان مصیبت عظیم ہے لیکن جہاں تک فعل قتل کا تعلق ہے 'اتنے المناک نہ سہی مگر اس سے ملتے جلتے سانحے دنیامیں اکثر رونما ہوتے رہے ہیں۔ اس دنیامیں انسان نے انسان پر بارہا ایسے ظلم وستم ڈھائے ہیں جن کے ذکر سے زہرہ آب ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسانی تاریخ کے اوراق ان کی داستانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ خود ہم مسلمانوں کی تاریخ کے ایسے لاتعداد ورق ہیں جو مظلومیت کے خون سے لالہ رنگ ہیں۔ جذباتی نفسیاتی اور شرعی انداز فکر کی بات اور ہے مگر عام انسانی نقطہء نظر سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تیغ ستم کا شکار ہونے والے عام انسان ہیں یا کسی بڑے خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کس حالت اور کیفیت میں قتل ہوئے ہیں۔ بے گناہوں کا قتل بہرحال ظلم ہے چاہے یہ ظلم عام اشخاص کے ساتھ روا رکھا گیا ہو یا خواص کے ساتھ۔ پھر جو قتل مقتولین کیلئے سعادت و سربلندی اور ذبح عظیم کا باعث ہو تو وہ اپنے دامن میں رنج وغم کے ساتھ ساتھ درس آموزی کا سامان رکھتا ہے اور حق وصدق کے علمبرداروں نے ان مدارج پر سرفراز ہونے کے لئے ہمیشہ تمنا کی ہے جن کا راستہ تلواروں اور دار ورسن کے سائے میں سے گزرتا ہے۔

www.taemeernews.com

امام حسینؓ کی مظلومیت کا حقیقی پہلو

حضرت حسینؓ ملت کی مظلوم ترین شخصیت اس لئے ہیں کہ انھوں نے جس مقصد کیلئے اپنا اور اپنے جگر گوشوں ' اپنے عزیز و اقارب اور اپنے مٹھی بھر رفیقوں کا سر کٹوایا ' اس مقصد کو ملت نے یا تو سمجھا ہی نہیں اور سمجھا تو اسے تاریخ کی بھول بھلیوں میں گم کر دیا۔ بعض لوگوں کے نزدیک جنھیں حسینؓ اور ان کے خانوادے کی محبت اور اتباع کا دعویٰ ہے ' کربلا کے سانحہ کا ظاہری پہلو ہی سب کچھ ہے۔ رہا مقصد تو وہ سمجھتے ہیں کہ حسینؓ اپنے باپؓ اور ناناؐ کے تخت اقتدار کو جس پر حریف قابض ہو گئے تھے دوبارہ حاصل کرنے اور حق بحقدار رسید کرنے کیلئے مدینۃ النبی سے نکلے تھے کہ یزیدیوں کے عظیم لاؤ لشکر نے انہیں کربلا میں شہید کر ڈالا۔ قطع نظر اس کے کہ یہ مظلومانہ شہادت خود آپ کے حامیوں یعنی اہل کوفہ کی غداری کا نتیجہ تھی کہ انہوں نے خط پر خط لکھ کر انہیں مدینہ منورہ سے بلایا اور پھر عین وقت پر کوفہ کے گورنر کی دھمکیوں اور ترغیب و تحریص کا شکار ہو کر ان کو دغا دی۔ نہ صرف ساتھ چھوڑ دیا بلکہ شامی فوج میں شریک ہو کر ان کے مقابلے میں گئے اور اپنے ہاتھوں سے انہیں شہید کیا۔ یہ لوگ حضرت حسینؓ کا جو نقشہ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ خود ان کی اپنی نظر میں دقیع ہو تو ہو ' اس کی نوعیت ایک ایسے جاہ پسند شخص سے کچھ بھی مختلف نہیں جو اپنے جذبہء جاہ پسندی کی تسکین کی خاطر نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو ' اپنے قریبی رشتہ داروں اور گنتی کے چند جاں نثاروں کو وقت کی حکومت کے مقابلے میں لا کر ذبح کروا دیتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی یہ تصویر اس گروہ کیلئے چاہے کتنی ہی جاذب نظر اور دلکش ہو ' خود ان کی عظمت اور اس عظیم الشان قربانی سے جو انھوں نے کربلا کے میدان میں دی ' کوئی میل نہیں کھاتی۔ حضرت حسینؓ

اور ان کا خانوادہ اس امر سے بہت بلند ہے جو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔
کربلا کے سانحہ کے ظاہری المناک پہلو کو اہمیت دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ سال میں صرف چند روز صف ماتم بچھا کر سمجھ لیا گیا کہ حسینؓ کی محبت کا تقاضا پورا ہو گیا ہے۔

www.taemeernews

دوسرا انتہا پسند گروہ

اس گروہ کے اس طرز عمل کے ردِ عمل میں ایک اور طرز فکر حال ہی میں ابھرا ہے۔ اس طرز فکر کے حاملین کے نزدیک حضرت حسینؓ معاذ اللہ باغی اور سرکش تھے۔ جنھوں نے ایک جائز حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا چنانچہ وہ اس کی پاداش میں قتل ہو گئے۔ جیسا کہ ہر باغی کا انجام ہوا کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اتنے صاف اور صریح الفاظ میں یہ بات نہ کہتے ہوں مگر وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سانحے سے لے کر حادثہء کربلا تک کے واقعات کو جس منظر و پس منظر کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور خلافت معاویہؓ ہی نہیں خلافت یزید کو بھی برحق ثابت کرنے کیلئے جس منطق سے کام لیتے ہیں اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے اور کہنے والا جو کچھ کہتا ہے 'سمجھنے والا یہی سمجھتا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک جدید طرز فکر ہے۔ ماضی میں معاویہؓ و علیؓ اور یزید و حسینؓ کے مناقشات میں اہل سنت کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں رہا ہے جس کو اس طرز فکر کے حاملین اچھال رہے ہیں۔ حضرت علیؓ کو اہل سنت نے خلیفہء راشد مانا ہے۔ ان کا اسم گرامی منبروں سے جمعہ اور عیدین کے خطبات میں پہلے تین خلفائے راشدین کے ساتھ پکارا گیا ہے۔ ان کے فیصلوں کو ابو بکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کی طرح فقہائے امت نے نظیر مانا ہے۔ حضرت امیر معاویہ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کی حمایت کی ہے اور انھیں حق پر مانا ہے۔

۔ اس کے برعکس امیر معاویہ کو نہ کسی نے خلیفہء راشد مانا ہے اور نہ اسلامی تاریخ میں ان کو وہ مقام دیا گیا ہے جو خلفائے راشدین کو حاصل ہے۔ ان کے متعلق محتاط سے محتاط علمائے اہل سنت کا طرز عمل کف اللسان رہا ہے یعنی انہوں نے خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے مقابلے میں یا اپنے بیٹے یزید کو امت کے سر

www.taemeernews.com

پر مسلّط کرنے میں جو روش اختیار کی اس پر نکتہ چینی نہ کی جائے اس لئے کہ امیر معاویہؓ صحابی رسولؐ ہیں اور اس شرف کا تقاضا یہ ہے کہ خاموش رہا جائے گویا جہاں تک حضرت علیؓ پر امیر معاویہ کو ترجیح دینے یا کم از کم انہیں اوّل الذکر کا ہمسر تسلیم کرنے کا تعلق ہے، امت میں یہ بالکل نئی بات ہے۔ یہی کیفیت یزید اور حسینؓ کے سلسلے میں ہے۔ اہل سنت کی نظر میں یزید کو کبھی وہ مقام حاصل نہیں رہا ہے جو حضرت حسینؓ کو حاصل رہا ہے۔ یزید کے مقابلے میں انہوں نے حضرت حسینؓ ہی کو حق پر سمجھا۔ یزید کی حکومت کو انہوں نے خلافت راشدہ کی طرح کبھی مقدس نہیں گردانا ہے۔ اہل سنت کا اس بات پر بھی اتفاق رہا ہے کہ یزید کی تخت نشینی کا اس طرز حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا جو اسلام پیش کرتا ہے۔ اسلامی سیاست میں اس بدعت کے آغاز نے امت کے مستقبل کے سیاسی نقشے اور تاریخ کو یکسر بدل ڈالا۔ حضرت حسینؓ کی مظلومی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک گروہ نے ان کی قربانی اور سرفروشی کو ماتم کی صفوں اور مجلس آرائیوں کا عنوان بنا دیا اور دوسرے گروہ نے انہیں ایک باغی اور سرکش کی صف میں لا کھڑا کیا۔

یزید کے متعلق یہ بحث کہ وہ اخلاقی اور دینی لحاظ سے بلند تر شخصیت تھی یا پست تر۔ ہمارے نزدیک سراسر غیر متعلق ہے۔ یزید فرض کر لیجئے ائمہ تابعین میں سے تھا، زہد و تقویٰ کا پیکر تھا، اس کے دن اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور راتیں اس کے حضور میں رکوع و سجود میں گزرتی تھیں لیکن اصل سوال یہ ہے کہ وہ جس انداز میں امت کے سر پر مسلّط کیا گیا اور اس کی تخت نشینی سے جس طرز حکومت کی بنیاد پڑی اس کی حیثیت اسلام میں کیا تھی؟

www.taemeernews.com

اسلام میں سیاست و حکومت کا تصور

یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام سیاست و حکومت کا تصور بھی اپنے دامن میں رکھتا تھا ورنہ دین تکمیل پذیر ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات تو نا قابلِ یقین ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں تو رہنمائی کرتا ہے لیکن سیاست و حکومت کی رہنمائی کے بارے میں خموش تھا اور اس بات کو اس نے ہر اس طاقتور شخص پر چھوڑ دیا تھا جو مسلمانوں کا سر اپنے آگے جھکوانے کی قوت رکھتا ہو۔ قرآن و حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام نے جس طرح اجتماعی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کیلئے ہدایات دی ہیں اسی طرح سیاست اور حکومت کیلئے بھی اصول دیئے ہیں۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کا نظامِ حکومت شورائی یا آج کی زبان میں جمہوری ہونا چاہئے۔ البتہ سربراہ حکومت کے انتخاب کی کوئی واضح شکل متعین نہیں کی۔ اس کا سبب واضح تھا! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو شکل بھی متعین فرما دیتے وہ قیامت تک کیلئے لازمی قرار پا جاتی تھی۔ اس لئے صرف سیاست و حکومت کے اصول دے دینے ہی پر اکتفا کیا گیا اور مملکت کے سربراہ کا طریق انتخاب ہر دور کے مسلمانوں پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں ہر عہد کے تقاضوں کے پیش نظر انتخابی ادارے قائم کر سکیں۔

www.taemeernews.com

خلیفہ کے اِنتخاب کیلئے اصول

ان اصولوں میں باپ کا بیٹے کو نامزد کرنے اور ایک ہی خاندان میں وراثت کے طور پر حکومت کا سلسلہ جاری رکھنے کی بہرحال کوئی ہدایت نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو وہ اپنے خاندان ہی کے کسی فرد کو اپنا جانشین نامزد فرما سکتے تھے مگر ان کی جانب سے ایسے کسی اقدام کا فقدان خود ظاہر کرتا ہے کہ یزید جس طریقے سے مسلمانوں پر مسلّط کیا گیا اسے کوئی شرعی جواز حاصل نہ تھا۔ یہی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے کسی شخص کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ کسی دوسرے فرد کو بھی نامزد نہیں فرمایا تاکہ کوئی شخص آئندہ چل کر اس فعل رسولؐ کو نظیر بنا کر عامتہ المسلمین کی رائے اور رضامندی حاصل کئے بغیر بالا ہی بالا ان پر مسلّط نہ ہو جائے۔

دوسرے الفاظ میں یہ بات مسلمانوں کی رائے عامہ پر چھوڑ دی کہ وہ اسلام کے عطا کردہ نظریہ حکومت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کس کو منتخب کرنا پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب عامتہ المسلمین ہی نے کیا حضرت عمرؓ کو بظاہر حضرت ابو بکرؓ نے نامزد کیا لیکن درحقیقت عامتہ المسلمین کی رائے لے کر اور غالب ترین اکثریت کو ان کے حق میں پا کر کیا۔ حضرت عثمانؓ عامتہ المسلمین کی رائے سے ہوا حضرت علیؓ کو بھی عامتہ المسلمین ہی نے منتخب کیا انہی عامتہ المسلمین نے جنھوں نے ابو بکرؓ و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو منتخب کیا تھا۔

www.taemeernews.com

یزید کی نامزدگی

لیکن یزید گزشتہ تمام روایات توڑ کر اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنّت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قیصر و کسریٰ کی سنّت کے مطابق مسلمانوں پر مسلّط ہوا۔ عامتہ المسلمین کی رائے کو اس میں کوئی دخل نہ تھا امیر معاویہ نے جب پہلے پہل اکابر صحابہ سے یزید کے متعلق رائے لی تو انہوں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی چنانچہ گورنروں کے ذریعے عامتہ المسلمین کو مجبور کیا گیا کہ وہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت لیں اس طرح سربراہ مملکت کا جمہوری طریق انتخاب بدل کر ایک ایسا طریقہ رائج کر دیا گیا جس کا اسلام کے مزاج اس کے احکام اور اس کی سیاست وحکومت کے نظریات اور اصولوں سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ خلفائے راشدین کے منہاج کے ترک کرنے اور اسلامی جمہوریت کو ملوکیت میں بدل ڈالنے سے پورا اسلامی تصوّر سیاست وحکومت سے متاثر ہوا پہلی ضرب عامتہ المسلمین کے اس حق خلافت پر پڑی جو انہیں اللہ اور اس کے رسول نے مساوی طور پر دیا تھا اور جس کی وہ اپنی مرضی سے اپنے میں سے بہترین شخص کو سونپ دیتے تھے۔ اب اس حق کو ایک خاندان نے غصب کر لیا اور اس غصب نے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ پر اتنا گہرا اور دوررس اثر ڈالا کہ آج جبکہ افریقہ کے ملکوں میں بھی جمہوریت اور شورائی طرز حکومت کو اختیار کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں پر ہر جگہ خاندانی بادشاہتیں اور جمہوریت کے نام پر شخصی آمریتیں........... جو کسی وقت بھی خاندانی بادشاہتوں میں بدل سکتی ہیں.......... مسلّط ہیں اور اگر کہیں جمہوری نظام حکومت قائم کرنے کی جدوجہد کی جاتی ہے تو یہ فلسفہ بگھارا جاتا ہے کہ جمہوریت مسلمانوں کے قومی مزاج کے منافی ہے اور انہیں جمہوری نظام حکومت کی نہیں ایک ایسے نظام حکومت کی ضرورت ہے جو ان کے قومی مزاج کے موافق ہو جسے وہ سمجھتے بھی ہوں اور چلا بھی سکتے ہوں۔

www.taemeernews.com

نظام حکومت میں تغیر

نظام حکومت کی اس تبدیلی نے مسلمان معاشرے کے اخلاق ' معاشرت افکار و عقائد غرض اس کی اجتماعی اور انفرادی زندگی پر تباہ کن اثر ڈالا۔ دین اور سیاست میں تفریق پیدا کر دی۔ نسلی تعصبات کی راہیں کھول دیں۔ جن سے امت پارہ پارہ ہو گئی۔ بیت المال پر ایک خاندان اور اس کے ہوا خواہوں کا تصرّف ہو گیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو پہلے اسلامی ریاست کا فریضہ ہی نہیں مقصد وجود سمجھا جاتا تھا' نسلی بادشاہت نے اس مقصد وجود سے سیاست کو محروم کر دیا اب یہ محض انفرادی حدود ہی میں انجام دیا جا سکتا تھا اور اس کی پاداش میں بسا اوقات اہل حق کو قتل ہونا پڑتا تھا۔ غرض یزید کو مسلمانوں کی گردن پر مسلط کر کے جس نظام حکومت کی بنیاد رکھی گئی وہی ان ساری برائیوں اور مقاصد کا منبع تھا جس میں امّت مسلمہ ہر جگہ آج تک مبتلا چلی آئی ہے۔

حضرت حسینؓ جن کی دور بین نگاہ دیکھ رہی تھی کہ نظام حکومت کی یہ تبدیلی اسلامی نظام حکومت کا خاتمہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ اپنے جلو میں مفاسد اور برائیوں کا ایک ہولناک سیلاب لے کر آئے گی۔ انہوں نے اس تبدیلی کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ وہ مدینہ سے مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں سے اپنے اہل و عیال کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں کے باشندوں نے انہیں بلاوا بھیجا تھا۔ حضرت حسینؓ کے پیش نظر کیا پروگرام تھا اور وہ اس کو کس طرح جامہ عمل پہنانا چاہتے تھے' اس کا پتہ تو کوفہ پہنچنے پر چل سکتا تھا لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ کوفہ کے لوگوں نے ان سے غداری کی اور وہ یزید کے گورنر ابن زیاد سے مل گئے اس طرح کوفہ پہنچنے اور کسی پروگرام پر عمل کرنے کی نوبت بھی نہ آ پائی اور حادثہ کربلا رونما ہو گیا۔

www.taemeernews.com

یزید کی حکومت کی قانونی حیثیت

یزید کی حکومت کو قانونی ثابت کرنے کیلئے صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد کا ذکر کر کے کہا جاتا ہے کہ کیا ان کی بیعت اس حکومت کو قانونی حکومت ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے اور کیا سارا عالم اسلام یزید کی سربراہی پر متفق نہیں ہو گیا تھا پھر احادیث رسول سنائی جاتی ہیں جن میں حکومت وقت کے خلاف خروج کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور ہدایت کی گئی ہے کہ جب تک امیر نماز کے قیام کا حکم دیتا رہے اس کی اطاعت کرو اور سرکشی نہ کرو۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے ایک قانونی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی اس طرح یزید کی حکومت کو برحق ثابت کرنے اور حضرت حسینؓ کے اقدام کو مطعون کرنے اور اس کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حالانکہ کسی حکومت کے قانونی ہونے کیلئے یہی ضروری نہیں کہ لوگ اس کی عمل داری کو تسلیم کر لیں اور اس کے قانون کے آگے جھک جائیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود قانون کے مطابق وجود میں آئی ہو۔

اسلام کے نقطہء نظر سے قانونی حکومت صرف وہی ہو سکتی ہے جسے مسلم عوام نے کسی جبر و کراہ کے بغیر اپنی مرضی سے منتخب کیا ہو اور جو شریعت اسلامی کو قانون سازی کا ماخذ و منبع تسلیم کرتی ہو اور جس کی اجتماعی پالیسی اللہ اور اس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے نظریات کے مطابق ہو یزید کی حکومت شریعت اسلامی کو قانون ملکی تسلیم کرنے کے سوا کسی اور اصول پر پوری نہیں اترتی تھی۔ وہ عامتہ المسلمین کے بغیر ان پر اوپر سے مسلط کی گئی تھی اور ان کی بیعت جبر و کراہ کی بیعت تھی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خود بیعت کرنے والوں کی نظر میں اسے وہ تقدیس حاصل نہیں تھی جو اسے آج دی جا رہی ہے اور وہ اس کے خلاف بار بار بغاوتیں کرتے رہے۔ خود آئمہ فقہا نے بھی

www.taemeernews.com

ایسی غیر قانونی حکومت کے خلاف خروج کو جائز سمجھا ہے عباسی خلیفہ منصور کے خلاف نفس ذکیہ نے خروج کیا تو امام ابو حنیفہ نے ان کی اخلاقی حمایت کی۔ یہ صرف ایک مثال ہے ایسی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں وہ احادیث رسولؐ جنھیں اس حکومت کو تقدیس اور جواز کارنگ دینے کیلئے پیش کیا جاتا ہے ہمارے نزدیک ان میں دی ہوئی ہدایات صرف اس قانونی حکومت کیلئے ہیں جسے مسلمانوں نے خود اپنی مرضی سے جبر و کراہ کے بغیر منتخب کیا ہو اور اس انتخاب کے بعد اس میں بگاڑ رونما ہو جائے اور وہ غلط راستے پر گامزن ہو جائے۔ ایسی حکومت کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تک وہ مسلمانوں کو نماز روزے سے نہ روکے اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے۔ بنابریں یزید کی غیر قانونی حکومت کو ان احادیث رسولؐ کا تحفظ حاصل نہیں ہو سکتا۔

www.taemeernews.com

غیر قانونی حکومت کیخلاف جدوجہد کا حق

حضرت حسینؓ کی نظر میں بھی یقیناً یہ احادیث ہوں گی لیکن انہوں نے نہ صرف یزید کی غیر قانونی حکومت کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف محاذ قائم کرنے کے کوفہ روانہ ہوئے۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ بعد میں کوفیوں نے ان سے وفا نہ کی۔ بہر حال یہ بات واضح ہے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ اسلام میں نظام حکومت کو جن بنیادوں پر استوار کیا جارہا ہے تو وہ مدینہ منورہ سے نکلے۔آپ کے خیر خواہوں نے ہر چند رو کا مگر آپ دیکھ رہے تھے کہ خاموشی کا وقت نہیں ہے۔ اگر خاموش بیٹھ گئے تو قیامت تک کیلئے ایک غلط نظیر قائم ہو جائے گی اور اس غلط نظیر کی آڑ لے کر ہر ضلالت اور گمراہی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا جانے لگے گا۔ حضرت حسینؓ نے حُر کے لشکریوں کو مخاطب کر کے کہا تھا:

> "ان لوگوں (بنوامیّہ) نے شیطان کی حکومت قبول کی ہے اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے ملک میں فساد پھیلایا ہے۔حدود اللہ کو بے کار کر دیا ہے مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے اور حلال کردہ چیزوں کو حرام اس لئے مجھے اس کے بدلنے کا حق ہے۔"

خانوادہء نبوت کا فرد جلیل ہونے کی حیثیت سے آپ سے بڑھ کر اور کون شخص ہو سکتا تھا جس پر اس شگاف کو بند کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو چنانچہ اس شگاف کو انہوں نے اپنا، اپنے جگر گوشوں، اپنے عزیزوں اور مٹھی بھر رفیقوں کا سر دے کر بند کرنے کی کوشش کی اگرچہ یہ شگاف بند نہ ہو سکا تاہم ان کا پاک خون قیامت تک کیلئے اسلامی تاریخ کے اوراق پر نقش چھوڑ گیا ہے کہ:

www.taemeernews.com

"بادشاہ حقیقی اور حاکم اصلی اللہ تعالیٰ ہے اور ایک اسلامی ریاست میں رحمٰن کی اطاعت کے بجائے شیطان کی حکومت قبول نہیں کی جا سکتی۔"

حضرت حسینؓ نے کربلا کے میدان میں جو قربانی دی وہ تاریخ کا مایہ ء فخر و ناز واقعہ ہے یہ واقعہ ملّت بیضا کو ماتم اور نوحہ سرائی میں ڈوب جانے اور زندگی کا کاروبار معطل کر دینے کی دعوت نہیں دیتا اور نہ غلط اور گمراہ کن تاویلات کا متحمل ہے بلکہ یہ سبق دیتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کس طرح سعی و جہاد سے عبارت ہونی چاہئے اور ضرورت کے وقت اپنے جگر گوشوں کو حق پر کس ذوق اور شوق اور صبر و توکّل کے ساتھ نچھاور کر دینا چاہئے۔

یہ واقعہ اپنے دامن میں یقین و ایمان ' جذبہ و سوز اور امید و رجا کا عظیم سرمایہ رکھتا ہے۔ غم حسینؓ اور عزاداری شہداء برحق کہ یہ تو آلام و مصائب میں ہر صاحب ایمان کا سہارا ہے مگر اسے ان ماتم سرائیوں اور سینہ کوبیوں اور تاویلاتی گورکھ دھندوں سے کیا تعلق' جو انسان کو میدان عمل سے فرار کا سبق دے کر اور نا امیدی و مایوسی کی کہر میں ملفوف کر کے اس سے زندگی کے ولولے اور حرارت چھین لیتے ہیں اور مصاف کارزار سے ہٹا کر صرف مجلس آرائیوں کا خوگر بنا دیتے ہیں۔ شہادت حسینؓ تو ایک پیغام ہے ' زندہ و جاوداں پیغام:

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

www.taemeernews.com

حسینؓ کے مقدس خون کا احترام کرو

ہمارا کوئی مدرسہ فکر امام حسینؓ کی عظمت کا منکر نہیں۔ ہمارا لیبل شیعہ ہو، سنی ہو، اہل حدیث، کچھ بھی ہو۔ امام حسینؓ ہمارے محترم ہیں ہم ان کا نام ادب سے لینے کو اپنی سعادت اور ان کی قربانیوں کے گیت گانے اور ان کا احترام کرنے کو دین و دنیا کی فلاح کا موجب سمجھتے ہیں۔ یہ بات ہم میں قطعی طور پر غیر نزاعی اور مکمل طور پر مشترک ہے۔

ہم میں سے کوئی اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا کہ شیعہ سنی دو الگ "دین" ہیں۔ یہ بات مشترک ہے کہ شیعہ سنّی دو مسلک ہیں، دو دین نہیں۔ ایک دین کی دو مختلف تفسیریں ہیں۔ دو مختلف ذہنی رویّے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے انداز میں دین کو سمجھا اور اپنے اپنے طریقے سے تاریخ کو پڑھا۔

تاریخ ایک علمی موضوع ہے اور اسے اپنے انداز میں پڑھنے پر کوئی دینی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ دین کی تفسیر کے انداز بھی مختلف ہو سکتے ہیں اور اس اختلاف کے لاتعداد طریقوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے لفظوں میں شیعہ اور سنی مسالک فکر میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں اختلاف صرف تفسیر و تعبیر کا ہے اور انسانی گروہ میں جن کا ذہن اس کے اعصاب پر ہر دوسری مخلوق سے زیادہ حاوی ہوتا ہے اس قسم کے ذہنی اختلافات کا نہ ہونا بعید از قیاس ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان اختلاف رائے ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کروڑوں انسانوں میں اختلافِ رائے کا وجود نہ ہو.........؟ اختلاف رائے کا وجود نعمت بن جاتا ہے اگر بنیادی مرکزیتِ عمل و وحدت فکر کو منتشر نہ کرے اور لعنت بن جاتا ہے اگر اس کی وجہ سے مرکزیتِ عمل اور وحدت منتشر ہو جائے۔

www.taemeernews.com

امّت محمّدیہ کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ان دونوں اختلافات نے جب کبھی اس حد تک شدّت اختیار کر لی کہ مرکزیتِ عمل اور وحدت فکر کو صدمہ پہنچا تو ملّت پارہ پارہ ہو گئی۔ ہلاکو خان نے شیعہ و سنّی دونوں کو "مسلمان" جان کر قتل کیا اور دجلہ و فرات دونوں کے خون سے رنگین ہو گئے لیکن جب یہ اختلافات اپنے وجود کے باوجود بنیادی مرکزیتِ عمل اور وحدت فکر کے ساتھ پیوستہ رہے اور اس کے تحت رہ کر اپنے اپنے طور پر قائم رہے، عظیم سلطنتیں ابھریں اور دنیا کی جغرافیائی حدیں ٹوٹ گئیں۔ تاریخ ایک بار نہیں دس ہزار بار اس واقعہ کا تجربہ کر چکی ہے۔ قریب ترین تاریخ کا تجربہ پاکستان ہے۔ قائداعظم عقائد کے اعتبار سے شیعہ بتائے جاتے ہیں اور ان کی قیادت کو سنّیوں نے کبھی اس بناء پر چیلنج نہیں کیا ہم سب نے مل کر دنیا کا نقشہ بدل دیا۔

لیکن اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ملک کے زعما اور عمائدین سلطنت کو یہ فکر لاحق ہے کہ مرکزیت عمل اور وحدت فکر کیلئے امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم قربانی کی یاد مناتے وقت ہم آپس میں دست و گریبان نہ ہو جائیں۔ اس کے لئے اپیلیں کی جا رہی ہیں اور شیعہ سنّی اتحاد کمیٹیاں قائم ہو رہی ہیں۔

کیا یہ اپنی ذات میں ہم پر ایک بھرپور طنز نہیں ہے؟ ہندو مسلم اتحاد کمیٹیاں کبھی بنا کرتی تھیں ان کی نہج پر یہ شیعہ سنّی اتحاد کمیٹیاں ہماری کس کمزوری کا اظہار ہیں؟

اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو محسوس ہو گا کہ کمزوری کے وجود سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کے جذبات کا احترام نہیں کرتے اور ہم میں ایسے "ایجی ٹیٹر" موجود ہیں جو ایک دوسرے کے جذبات کی جراحت ہی کو اپنا مال تجارت سمجھتے ہیں ان "ایجی ٹیٹروں" کو حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کد ہے اور نہ محبت۔ یہ محبت کو بھی اپنے مفاد کیلئے استعمال کرتے اور کد کو بھی اپنی روٹیوں کیلئے فروخت کرتے ہیں۔ ایک صحت مند معاشرے میں اس قسم کے گراں فروش ایجی ٹیٹروں کیلئے

www.taemeernews.com

کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے اور ہمیں یقین ہے کہ پاکستانی معاشرے میں انہیں کوئی جگہ نہیں ملے گی۔

ضرورت ہے کہ ہم محرم الحرام یعنی عظیم یادوں کے مہینے میں اپنے اپنے فروعی اور طالب علمانہ اختلافات کو اپنی ذات تک محدود رکھیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں کہ یہی احترام مرکزیت عمل اور وحدت فکر کا احترام ہے اور اس کیلئے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مقدس خون کی قربانی دی تھی۔ اس کا احترام نہ کرنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربانی کے بے ادبی کرنا اور ان کی پاک اور منزہ روح تکلیف پہنچانا ہے۔

www.taemeernews.com

نتائج و عبر

ہم اس کتاب کے ابتدائی اوراق میں نہایت وضاحت سے کہہ چکے ہیں کہ سانحہء کربلا عالمی تاریخ کے چند ایسے اہم واقعات میں سے ہے جنھوں نے تاریخ کے دھارے کا رخ یکسر بدل دیا ہے۔ اسلامی تاریخ میں تو اس سانحہء عظیم کی کوئی نظیر ہے ہی نہیں، کیونکہ اس سانحے کی بدولت اس رسولؐ کا خانوادہ جو بارگاہ ایزدی کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کیلئے آخری پیغام لے کر آیا تھا، خود افراد اُمّت کے ہاتھوں تقریباً منقطع ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی سیاست اور حکومت کی وہ اعلیٰ اور ارفع اقدار بھی پامالی کی آخری حد تک پہنچ گئی تھیں جنھیں پیغمبر آخرالزّماں صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منشائے ایزدی اور تائید وحی سے انسانوں کی فلاح و بہبود کیلئے وضع فرمایا تھا۔ سانحہ چونکہ بہت بڑا اور عدیم النظیر تھا اس لئے اس سے جو نتائج مرتب ہوئے وہ بھی بڑے اہم اور دُور رس تھے۔

www.taemeer.net

اسلامی طرز جمہوریت پر کاری وار

ظہور اسلام کے وقت اس وقت کی متمدن دنیا کا ایک بڑا حصہ دو بڑی استبدادی قوّتوں کی گرفت میں تھا۔ یہ استبدادی قوّتیں قیصریت اور کسرائیت کے ناموں سے معروف ہیں۔ جب اسلام کا پیغام لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے لگا تو سب سے پہلے انہیں دو قوّتوں کو اپنے لئے خطرہ محسوس ہوا اور پھر یہی دو قوّتیں یکے بعد دیگرے اسلام کی ابھرتی ہوئی قوّت کے ساتھ متصادم بھی ہوئیں' کیونکہ انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ "لا سلاطین ' لا کلیسا' لا الہ" کا نعرہ بلند کرنے والی یہ نئی قوّت نوعِ انسانی کے خوابیدہ ضمیروں اور پوشیدہ قوّتوں کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو گئی تو فکر انسانی میں ایسا تموج پیدا ہو گا جس میں قیصریت اور کسرائیت کی بظاہر مستحکم دیواریں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گی۔

چنانچہ اسلام نے واقعتاً خوابیدہ قوّتوں کو بیدار کر کے انہیں اس قابل بنا دیا کہ وہ فانی انسانوں کی جاہ و عظمت کے سامنے سر جھکانے کی بجائے انہیں خدائے لم یزل کے آستانے پر جھکنے پر مجبور کر دیں۔ مسلمان اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے لیکن توحید پرستی نے ان کو اتنی قوّت عطا کر دی کہ انہوں نے قیصریت اور کسرائیت کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔

اسلام نے قیصریت اور کسرائیت کے نظام کو چیلنج کیا مگر اسے ان انسانوں سے کوئی کد نہ تھی جو اس نظام کی پیداوار تھے۔ اسلام کی طرف سے قیصر اور کسریٰ کو کھلے الفاظ میں یہ دعوت دی گئی کہ اسلامی نظام میں جو اللہ تعالٰی کے ارشادات کے مطابق انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے ایک مکمل نظام ہدایت ہے' شامل ہو جائیں تو اسے ان سے کوئی تعرض نہ ہو گا البتہ ان کے طریق جہانبانی کو منشائے فطرت کے مطابق کر دیا

www.taemeernews.com

جائے گا اور اگر وہ منشائے فطرت کو پورا کرنے کیلئے اسلام کے ساتھ تعاون کریں گے تو وہ مسلمانوں کے بھائی ہوں گے اور بھائی ہونے کی حیثیت سے مسلمان ان کی ذات' ان کی ذاتی متاع' ان کے ناموس اور ان کی عزت کے محافظ ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ جو دین قیصریت اور کسرائیت کو مٹا کر اخوت' مساوات اور جمہوریت کا ایک عالمگیر نظام قائم کرنے کیلئے آیا تھا وہ کس طرح گوارہ کر سکتا تھا کہ خود اس دین کی پیروی کرنے والے لوگوں کے اندر نئے قیصرو کسریٰ پیدا ہو جائیں اور وہ عام انسانوں کی فلاح و بہبود پر ذاتی فلاح و بہبود کو مقدم رکھیں۔ بیت المال جو قومی امانت ہے اسے ذاتی ملکیت بنا کر جا و بے جا طور پر اپنے تصرف میں لائیں اور جمہور کی رائے کے خلاف چل کر خلافت اور نیابت کو اپنے خاندان کے لئے مختص کر لیں اور حاکمیت کو جو اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے ہر قول اور فعل کیلئے خدا اور رسولؐ اور مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے' ملوکیت میں بدل کر کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہونے والی مطلق العنان بادشاہت بنا لیں۔

سانحہء کربلا حقیقت میں اس اسلامی جمہوری طرز انتخاب پر ایک نہایت کاری وار ثابت ہوا اور اس سے اسلامی آئینِ حکومت کے جسد پر ایسے گہرے زخم لگے جو صدیاں گزر جانے پر آج تک پوری طرح مندمل نہیں ہو سکے۔

www.taemeernews.com

اسلامی نظام عدل کی پامالی

یزید نے جس مطلق العنان حاکمیت کا مظاہرہ کیا' اس کی وجہ سے عدل وانصاف کی وہ اعلیٰ اور ارفع قدریں جن کی وجہ سے دین اسلام کو باقی تمام نظام ہائے حیات پر تفوق حاصل ہوتا ہے' بری طرح پامال ہو گئیں! امیر چونکہ مسلمان عوام کے سامنے جواب دہ نہ رہا اور صرف عوام یا عوامی نمائندے ہی اللہ تعالیٰ کے قانون کی روشنی میں اس کا محاسبہ کر سکتے تھے اس لئے اس پر قانون خداوندی کی گرفت ایسی مضبوط نہ رہی' جیسی خلافت راشدہ کے زمانے میں تھی۔ مطلق العنان حکومت کی وجہ سے عمال حکومت بھی اللہ اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی بجائے اپنے امیر کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر میں رہنے لگے' لہٰذا عوام کو امیر اعلیٰ کا مطیع و فرمانبردار بنانے کیلئے انہوں نے ہر قسم کے جبر و تشدد کو اپنے لئے جائز قرار دے لیا۔ امیر معاویہ ہی کے زمانے میں عمال حکومت نے عوام پر تشدد کے دروازے کھول دیئے تھے اور ایسے لوگوں کو جو حضرت علیؓ کے حامی اور مخلصین میں سے تھے سخت ایذائیں دینا شروع کر دی تھیں' بلکہ قتل و غارت سے بھی دریغ نہ کیا۔ سیاسی انتقام کے طور پر قتل و غارت کے واقعات میں سے حجر بن عدی الکندی اور ان کے چند ساتھیوں کا سفاکانہ قتل ایک نہایت المناک مثال ہے۔

اسلامی عدل و انصاف کی پامالی کی واضح مثال ہمیں اس خطبے میں ملتی ہے جو 50ھ میں زیاد نے جناب مغیرہ بن شعبہ کی جگہ کوفے کا حاکم متعین ہونے پر دیا۔ اس نے اپنے خطبے کے دوران کہا:

> "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ غلام کے ساتھ آقا کو' مسافر کے ساتھ مقیم کو' جانے والے کے ساتھ آنے والے کو' نافرمان کے

www.taemeernews.com

ساتھ فرمانبردار کو اور بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا۔

تم نے نئی نئی باتیں پیدا کیں تو ہم نے بھی ہر گناہ کی سزا مقرر کی ہے پس اگر کوئی کسی کو ڈبائے گا تو ہم اس کو غرق کر دیں گے۔ اگر کوئی کسی کو جلائے گا تو ہم اس کو آگ میں جھونک دیں گے جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا ہم اس کے دل میں نقب لگائیں گے جو کوئی قبر اکھاڑے گا ہم اس کو قبر میں زندہ گاڑ دیں گے۔

جس نے بھی عوام میں شورش اور بے چینی کی کوئی بات پیدا کی میں اس کو قتل کر دوں گا۔ "

اس خطبے میں زیاد نے اپنے متعلق کہا:

"اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور محافظ ہیں۔ خدا نے ہم کو جو اقتدار دیا ہے اس کی بدولت ہم تم پر حکمرانی کرتے ہیں اور جس خراج کا خدا نے ہمیں حقدار بنایا ہے اس کے بدلے میں ہم تمہاری حمایت اور حفاظت کر رہے ہیں۔ "

اس خطبے میں زیاد نے اس قابل نفرت سیاست کا اعلان کیا ہے جس پر وہ اپنی گورنری کے دور میں عمل پیرا رہا یہ قابل نفرت سیاست ایسی تھی جس کا نہ اسلام سے کچھ واسطہ تھا نہ مسلمان اس سے آشنا تھے۔ اس نے اپنے مُربّی اور سرپرست کی حکومت مستحکم کرنے کے لئے سزا کے ایسے پیمانے وضع کئے جو انتہائی ظالمانہ اور متشدّدانہ تھے اور اسلام کے جزا اور سزا کے اصولوں کے ساتھ انہیں قطعاً کوئی نسبت نہ تھی کیونکہ اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر چور گھر میں نقب لگائے تو چور کے دل میں نقب لگائی جائے کچھ لوگ مردوں کی قبریں اکھاڑتے ہیں تو اسلام ان کو زندہ درگور کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ اسلام شبہے کی بنا پر سزائیں نہیں دیتا بلکہ شبہے سے سزا کا تدارک کرتا ہے اسلام شک کی بنا پر کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ جرم سرزد ہونے اور اس کے متعلق ثقہ شہادتیں فراہم ہونے کے بعد جرم کے مطابق سزا

www.taemeer.com

دینے کی اجازت دیتا ہے اسلام کسی حاکم یا خلیفہ کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ لوگوں پر اس لئے حکومت کر رہا ہے کہ اللہ نے اسے طاقت دی ہے اور خراج کا حقدار بنایا ہے۔ جبر و تشدد کے یہ واقعات سانحہ کربلا سے پہلے کے ہیں امام حسین اور بہت سے دوسرے جلیل القدر صحابی ان واقعات پر سخت رنجیدہ تھے۔ اسلامی نظام عدل وانصاف کے اصولوں کی ایسی کھلی پامالی ان سب کے لئے سوہان روح تھی بہت سے جلیل القدر صحابیٔ ان حالات کو دیکھ دیکھ کر معاملات دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو چکے تھے لیکن جب ظلم و ستم حد سے گزر گیا تو امام عالی مقام نے مناسب سمجھا کہ برائی اور ظلم وتشدد کے اس سیلاب کو اپنی پوری قوت سے روکنے کی کوشش فرمائیں۔ سانحہ کربلا اس بھرپور کوشش کا دوسرا نام ہے۔ یہ کوشش ہرچند وقتی طور پر ناکام ہو گئی لیکن تھوڑے ہی عرصے میں بنوامیہ کی حکومت اور قیادت کا دورہ ختم ہو گیا اور ختم بھی ایسا ہوا کہ بلاد عرب وعجم سے اس تناور درخت کی جڑیں ہی اکھڑ گئیں۔ صرف ایک شاخ اندلس کی سرزمین میں پہنچ کر اس خوفناک ردِّ عمل سے محفوظ رہ گئی، جس سے بنوامیہ کو دوچار ہونا پڑا۔

www.taemeernews.com

ملّت اسلامیہ میں باہمی افتراق

حضرت عثمان غنیؓ کے سانحہ شہادت کے ساتھ ہی ملّت اسلامیہ کے اندر مستقل افتراق عناد کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ تاریخی نقطۂ نظر سے تو کربلا کے سانحہ کو اس افتراق اور عناد کا ایک منطقی نتیجہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ حسینؓ نے اس افتراق کے خاتمے کے لئے اپنی اور اپنے خاندان کی قربانی دی اور خزاں کی زد میں آئے ہوئے گلشن اسلام کو اپنے خون سے سینچا اور طرح باطنی ایمانی اور اسلامی لحاظ سے کم از کم قلوب و اذہان میں اتحاد اسلامی کی حقیقی بنیادوں کو راسخ کر دیا۔ لیکن ظاہری اور واقعاتی دنیا میں یہ تشتت اور افتراق بڑھتا ہی چلا گیا۔ سانحہ کربلا کے رد عمل کے طور پر مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں حکومت کے خلاف جو بے چینی اور بے زاری پیدا ہوئی اور حکام بنوامیہ نے اسے دبانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے اس سے لوگوں کے دلوں میں بنوامیہ کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ انتقام در انتقام کے جو چکر چلائے گئے ان سے ملّت کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور جیسے وقت گزرتا گیا ملّت کے دو بڑے گروہوں کے درمیان خلیج بڑھتی ہی چلی گئی۔ تمام عالم اسلام غداریوں اور سازشوں کا شکار ہو گیا اور اگرچہ بنوامیہ اور اس کے بعد بنو عباس کے بعض انتہائی قابل اور ہوشمند خلفاء نے مسلمانوں کی مرکزی قوت کو متاثر نہ ہونے دیا اور اپنی وسیع النظری اور وسیع القلبی کی بنا پر اختلاف و افتراق کی شدّت کو کم کرنے کی کوشش کرتے رہے پھر بھی تمام مسلمانوں کو کسی وقت بھی کاملاً متحد نہ کر سکے بلکہ خود بنو عباس کی خلافت کے زوال میں اس افتراق کا ہاتھ تھا۔

www.taemeernews.com

اسلام کے اجتماعی مقاصد کو نقصان

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت کے نصف آخر سے جب بنو امیہ اور بنو ہاشم کی باہمی رقابتیں اور عداوتیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے تحلیل ہو گئی تھیں، عود کر آئیں تو ملت اسلامیہ کے اندر باہمی افتراق کا ایسا دروازہ کھل گیا جو آج تک بند نہیں ہو سکا۔ یہ افتراق جو ابتداً محض سیاسی تھا رفتہ رفتہ مذہبی صورت اختیار کر گیا جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس مذہبی افتراق میں کمی کی جگہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس افتراق کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوت جسے دین اسلام کے دشمنوں کے خلاف استعمال ہونا چاہئے تھا، آپس میں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوتی رہی ،مسلسل صدیوں تک استعمال ہوتی رہی اور آج بھی کہیں کہیں استعمال ہو رہی ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں اسی افتراق کی وجہ سے اسلامی فتوحات کا سلسلہ تقریباً معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ اُموی دور میں فتوحات کا سلسلہ پھر چل نکلا لیکن اس دور کے اواخر میں ملّت پھر خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئی۔عباسی دور کی شان و شوکت اور اجتماعی ترقی تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے،لیکن اس دور میں افتراق نے دوسرے دروازوں سے بھی سر اٹھایا اور شیعہ سُنّی اختلافات بھی بدستور رہے۔

اس افتراق کا افسوسناک ترین دور وہ ہے جب ترک فتح و نصرت کے پرچم بلند کئے ہوئے وسطی یورپ کی جانب بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک انہیں مشرقی محاذ کی طرف لوٹنا پڑا جس کی وجہ سے یورپ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور

www.taemeernews.com

مسلمانوں کی اجتماعی قوت اتنی کم ہو گئی کہ اس کے بعد اسلامی فوجوں کے قدم یورپ میں آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے لگے' خود یورپی مصنفین اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ اگر چالدران کی جنگ جو ترکوں اور ایرانیوں کے درمیان 23 اگست 1514ء کو ہوئی نہ ہوتی تو یورپ میں ترک فوجوں کی پیش قدمی کا رکنا محالات میں سے تھا اور عین ممکن تھا کہ پورا یورپ اسلام قبول کر لیتا جس سے دنیا کی تاریخ بالکل بدل جاتی۔

بر صغیر ہند و پاکستان کا آخری دور بھی مسلمانوں کے مذہبی تشتت و افتراق کا افسوس ناک دور ہے۔ دکن میں آخری مغل فرماں روا اورنگ زیب عالمگیر کو اس مذہبی افتراق کی وجہ سے جنگ و جدل کا ایک طویل زمانہ دیکھنا پڑا۔ جس کا نتیجہ مغل سلطنت کی کمزوری اور زوال کی صورت میں سامنے آیا۔ سلطنت خداداد میسور کی تباہی کے پیچھے بھی یہی افتراق کار فرما تھا اور شمالی ہند کی مسلمان حکومتیں بھی اسی انتشار و افتراق کے باعث زوال پذیر ہوئیں۔

www.taemeer news

مقامِ عبرت

انتہائی عبرت کا مقام یہ ہے کہ دُشمنانِ اسلام ہر دور اور ہر ملک میں مسلمانوں کے اس مذہبی افتراق کو اپنے مقاصد کیلئے نہایت کامیابی کے ساتھ استعمال کرتے اور مسلمان نہایت آسانی سے ان کے آلہء کار بنتے رہے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک افتراق کے اس دائرے کو وسیع کرنے میں ایک عیار شخصیت عبداللہ ابن سبا کا بھی ہاتھ تھا جو یہودی النسل تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے درمیان افتراق پیدا کرنے کیلئے سرگرم کار رہا۔ اس نے نہایت چالاکی اور عیاری کے ساتھ مسلمانوں کی جمعیت کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا مگر تاریخ کا دیانت دارانہ اور ناقدانہ مطالعہ اس طرح کی کسی شخصیت کے وجود کا پتہ نہیں دیتا' یہ ایک حقیقی سے زیادہ افسانوی کردار دکھائی دیتا ہے۔ ویسے بھی ایک پوری اُمت کے افتراق کو مختلف عوامل کے بجائے ایک شخص کے سر تھوپ دینا کسی طور قرین انصاف نہیں۔

جب یورپین اقوام بالخصوص انگریزوں کو عالمی سیاست میں بالا دستی حاصل ہوئی تو انہوں نے ایسے سیاسی حربے استعمال کئے کہ مختلف مسلمان فرقوں کے لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے اور اپنی قوتوں کو ضائع کرتے رہے۔ انگریزوں کے نقش قدم پر چل کر دوسری اقوام نے بھی مسلمانوں کے مختلف العقیدہ گروہوں میں اختلاف وافتراق کو خوب ہوا دی اور عام طور پر کامیاب ہوتے رہے۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کو اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ سے سبق حاصل کرنا

www.taemeernews.com

چاہئے اور ایسے عناصر سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہئے۔ جو مسلمانوں کے اندر افتراق پیدا کر کے اپنے مقاصد حل کرنا چاہتے ہوں۔ جب مسلمان اقوام عقائد کی بنا پر خانہ جنگیوں کو بالکل خیرباد کہہ دیں گی تبھی وہ دنیا (اور عقبیٰ میں بھی) سربلند ہو سکیں گی اور تبھی وہ عظیم مقاصد بھی پورے ہو سکیں گے جن کیلئے امام حسینؓ نے کربلا کے میدان میں اتنی عظیم قربانیاں دیں۔

www.taemeernews.com

کوثر نیازی